دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

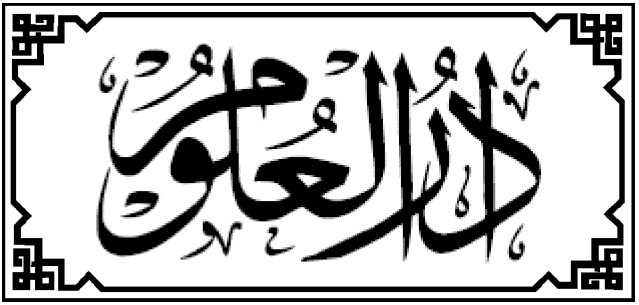

جلد: ۹۷	ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق فروری ۲۰۱۳ء	شمارہ: ۲

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۵ روپئے، سالانہ -/۱۵۰ روپئے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپئے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپئے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپئے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	قضائے حاجت کے شرعی احکام	مفتی محمد راشد ڈسکوی	۷
۳	صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں علمائے دیوبند کا معتدل موقف	مولانا اشتیاق احمد قاسمی	۱۹
۴	انقلابی نظریات اور پیغمبرِ انقلاب ﷺ	مولانا محمد الیاس گھمن	۲۳
۵	جنسی جرائم - اسباب اور علاج	غلام رسول دیشمکھ	۲۶
۶	حضرت شیخ الاسلامؒ کی تصانیف - تجزیہ وتعارف	مولوی نایاب حسن قاسمی	۲۹
۷	کیا برائیاں ''موم بتی جلانے'' سے ختم ہوجائیں گی	ڈاکٹر ایم. اجمل فاروقی	۵۱

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

اسلام صرف چند اصول ونظریات اور علوم وافکار کا مجموعہ نہیں؛ بلکہ وہ اپنے جلو میں مکمل نظامِ عمل لے کر چلتا ہے، دینِ اسلام جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں اصول وقواعد پیش کرتا ہے، وہیں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے؛ چونکہ خاتمِ مرتبت، نبیِ رحمت ﷺ خاتم نبوت ورسالت ہیں اور دینِ اسلام مالکِ کائنات کا آخری پسندیدہ دین ہے؛ اس لیے یہ ضروری تھا کہ شریعتِ محمدیہ (عَلی صَاحِبِهَا أَلْفُ أَلْفُ صلوٰةٍ وَسَلَامٍ) کی علمی وعملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایسی جماعت کا سلسلہ جاری رہے جو شریعتِ مطہرہ کے علم وعمل کی حامل وامین اور داعی ونقیب ہو؛ چنانچہ حق تعالیٰ نے دینِ اسلام کی دونوں طرح سے حفاظت فرمائی۔

حفاظتِ دین کے ذرائع میں ''صحابۂ کرامؓ'' کی جماعت سرِفہرست ہے، اس برگزیدہ جماعت نے (جسے خود ربِ کائنات نے پیغمبرِ اعظم ﷺ کی رفاقت ومعیت کے لیے منتخب فرمایا تھا) براہِ راست صاحبِ وحیؐ سے دین کو سیکھا پھر اس پر عمل کیا اور اپنے بعد آنے والی نسلوں تک دین کو من وعن پہنچایا، ان بزرگوں نے معلمِ انسانیت ﷺ کے زیرِ تربیت اخلاق واعمال کو منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی اور رضائے الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ رسولِ خدا ﷺ کے قدموں پر نچھاور کردیا۔

غرض اس پوری کائنات میں صرف اور صرف حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کی وہ واحد مقدس جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت کے لیے سرورِ کائنات محمد رسول اللہ ﷺ کو معلم اور استاذ مقرر کیا گیا، اس انعام خداوندی پر وہ جس قدر بھی شکر کریں کم ہے اور جتنا بھی فخر کریں بجا ہے۔

چونکہ نبیِ آخرُ الزماں ﷺ کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت ان حضرات کے سپرد کی جارہی تھی؛ اس لیے یہ ضروری تھا کہ آنے والی نسلوں کے لیے یہ حضرات قابلِ اعتماد واستناد ہوں؛ چنانچہ قرآن وحدیث میں جگہ جگہ ان کے فضائل ومناقب بیان کیے گئے اور ان کی بے پایاں عظمتوں کو آشکارا کیا گیا، ان کے اخلاص وللّٰہیت کی شہادت دی گئی اور انھیں بارگاہِ خداوندی سے یہ رتبۂ بلند عطا ہوا کہ انھیں رسالتِ محمدی (عَلیٰ صَاحِبِهَا الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا گیا، فرمانِ الٰہی ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ، تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً (الآية).

> محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو ایمان والے ان کے ساتھ ہیں وہ منکرین پر سخت اور باہم شفیق ہیں، تم انھیں دیکھوگے رکوع اور سجدے میں، وہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔

گویا یہاں محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں حضراتِ صحابہؓ کی سیرت کردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے نبیِ صادق وامین کی صداقت میں شک وشبہ ہو اُسے آپ کے رفقاء اور ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا مطالعہ کرکے خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہیے کہ جن کے صحبت یاب اور ہم نشین اس قدر بلند کردار اور پاکباز ہوں وہ خود صدق وراستی کے کس مقام بلند پر فائز ہوں گے۔

پھر نبیِ صادق ومصدوق ﷺ نے اپنے صحابہؓ کے بے شمار فضائل بیان فرمائے، بالخصوص خلفائے راشدین حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروقِ اعظم، حضرت عثمان ذوالنُّورَین، حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب سے احادیث کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ الحاصل جس کثرت وشدت اور تواتر وتسلسل کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہؓ کے اوصاف وکمالات اور مزایا وخصوصیات کو بیان فرمایا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ میرے صحابہؓ پر بھرپور اعتماد کیا جائے اور انھیں عام افرادِ امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے، ان کا تعلق وربط براہِ راست آں حضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ہے؛ اس لیے ان کی محبت عین محبتِ رسول ﷺ ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابلِ معافی جرم ہے، ارشاد ہے:

اَللّٰہَ اللّٰہَ فِيْ أَصْحَابِيْ، اللّٰہَ اللّٰہَ فِيْ أَصْحَابِيْ، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضاً مِنْ بَعْدِيْ، فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ أَبْغَضَهُمْ وَمَنْ أَذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِيْ، وَمَنْ آذَانِيْ فَقَدْ آذیٰ اللّٰہَ وَمَنْ آذیٰ اللّٰہَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَأْخُذَهٗ.

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہؓ کے بارے میں، میرے بعد انھیں ہدفِ تنقید نہ بنانا؛ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنیاد پر ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض رکھنے کی بناء پر ان سے بغض رکھا، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کے ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اُسے پکڑ لے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی امت کو پابند کیا کہ میری سنت کے ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ اور راہِ عمل کو بھی لازم پکڑیں۔

الغرض کتاب وسنت کے نصوص بتا رہے ہیں کہ:

۱- سارے صحابہؓ کو اللہ رب العزت کی دائمی رضا وخوشنودی حاصل ہے۔

۲- جملہ صحابہؓ آپس میں برادرانہ اُلفت ومحبت رکھتے تھے۔

۳- ہر ایک صحابی کا دل ایمان واخلاص کی الفت سے مزین اور کفر، فسق اور نافرمانی سے متنفر تھا۔

۴- حضراتِ صحابہؓ اللہ تعالیٰ کے منتخب وبرگزیدہ ہیں، جماعتِ انبیاء کے علاوہ جن وبشر کا کوئی بھی فرد ان کی عظمتِ شان کو نہیں پہنچ سکتا۔

۵- صحابہؓ کی محبت رسول اللہ ﷺ کی محبت اور ان سے بغض، اللہ کے رسول ﷺ سے بغض ہے۔

۶- صحابہؓ کو تنقید وتنقیص کا نشانہ بنانا حرام ہے۔

۷- امت کا سارا شرف ومجد صحابہؓ کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے۔

قرآن وحدیث کی ان واضح اور روشن ہدایات کے بالمقابل عصرِ حاضر کے اہلِ ظواہر کہتے ہیں:

۱- امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب جو روایت آں حضرت ﷺ سے بیان کریں اس میں وہ یقیناً اور قطعاً سچے ہیں؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ روایت کی طرح ان کی درایت (فہم) ہم پر واجب التعمیل نہیں، بہت ممکن ہے کہ وہ درست نہ ہو' (شمع محمدی ص۹ طبع کراچی)

اسی صفحہ پر جملہ صحابۂ کرامؓ کے بارے میں اسی موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲- صحابہؓ کی درایت معتبر نہیں (شمعِ محمدی)

۳- کردارِ صحابی حجت نیست اگر چہ بصحت رسد (بدور الاہلہ ج ا ص ۲۸) صحابی کا کردار اگر چہ صحیح طور پر ثابت ہو حجت و دلیل نہیں ہے۔

۴- وَمَا هُوَ مَوْقُوْفٌ عَلٰى صَحَابِيٍ أَوْ تَابِعِيٍ لَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ (الروضة الندیه ج ا ص ۷۷) صحابی و تابعی کے قول سے حجت و دلیل قائم نہیں ہوگی۔

۵- دینِ اسلام صرف وحیِ الٰہی کا نام ہے، یعنی قرآن مجید اور صحیح احادیث اس کے علاوہ کسی کا قول یا عمل دینِ اسلام نہیں ہے خواہ صحابہؓ ہوں (دعوت الی الخیر ص ۳ طبع کراچی)

۶- خطبۂ جمعہ میں خلفاء کے ذکر کا التزام بدعت ہے (ہدایۃ المہدی ج ا ص ۱۱۰)

حضرت فاروقِ اعظمؓ نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین قرار دیا تھا، اس کے خلاف ایک جدید ظاہری کا تیور دیکھیے! فرماتے ہیں:

۷- ''پھر آپ اور ہم اُسے کیوں مانیں ہم فاروقی تو نہیں محمدی ہیں، ہم نے ان کا کلمہ تو نہیں پڑھا، آں حضرت ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۲۵۲ مطبوعہ ادارہ ترجمان السنۃ لاہور)

۸- بعض صحابہ فاسق تھے، جیسے ولید بن عُقبہ، معاویہ، عمرو، مغیرہ، سَمُرۃ (نزل الابرار ج ۳ ص ۹۴) نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ!

''ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا''

❁ ❁ ❁

قضائے حاجت کے شرعی احکام

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
استاذ جامعہ فاروقیہ، کراچی

جی ہاں، کیوں نہیں!! ''ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں سب کچھ ہی سکھلایا ہے، اور استنجے سے متعلق بھی ضروری ہدایات دی ہیں''۔ یہ تاریخی کلمات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان مشرکین کے جواب میں ارشاد فرمائے تھے جو بطورِ استہزاء اور طنز کہہ رہے تھے کہ ''تمہارے نبی تو تمہیں پیشاب پاخانہ کرنے کے طریقے بھی سکھاتے ہیں!''

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مزید یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رُخ کریں یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں، یا یہ کہ ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں، یا یہ کہ ہم کسی چوپائے (اونٹ، گھوڑے یا بیل وغیرہ) کے فضلے (گوبر اور لید وغیرہ) یا ہڈی سے استنجا کریں۔

(صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ، رقم الحدیث: ۲۶۲، بیت الأفکار)

حدیثِ مبارکہ سے مستفاد امور

علامہ طیبیؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں، کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حکمت سے بھرپور جواب دیا، آپ نے اس کے استہزاء کی کوئی پروانہ کی اور ایسا جواب دیا جو ایک شیخ اپنے مرید کی راہنمائی کرتے ہوئے دیتا ہے، یعنی: اس استہزاء کرنے والے کو یہ فرمایا کہ ''یہ کوئی قابل استہزاء بات نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک اٹل حقیقت اور قابلِ اعزاز بات ہے، اور جب ایسا ہے تو تم پر لازم ہے کہ ہٹ دھرمی چھوڑو اور صراط مستقیم کو اختیار کرو، یہ صراطِ مستقیم تمہارے باطن اور ظاہر کو پلیدگیوں اور نجاستوں سے پاک کر دے گا''۔ (فتح الملہم، کتاب الطھارہ، باب الاستطابۃ ۲/۱۱۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

مندرجہ بالا حدیثِ مبارکہ میں پیشاب پاخانہ کرنے سے متعلق چار ہدایات ارشاد فرمائی ہیں:

قضائے حاجت کے وقت کس طرف منہ کیا جائے؟

(۱) قضائے حاجت کے وقت اس طرح بیٹھا جائے کہ قبلے کی طرف نہ منہ ہو اور نہ ہی پیٹھ۔ یہ حکم قبلہ کے ادب واحترام اور تقدس کی خاطر تھا کہ کوئی بھی ذی شعور انسان جو لطیف اور روحانی حقیقتوں کا ادراک کرنے والا ہو وہ اس موقعہ پر کسی مقدس اور محترم چیز کی طرف منہ یا پشت کرنے کو بے ادبی شمار کرتے ہوئے اس طرز کے اپنانے سے گریز کرے گا۔

استنجاء کس ہاتھ سے کیا جائے؟

(۲) دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ اس عمل کے لیے اپنا دایاں ہاتھ استعمال نہ کیا جائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فوقیت دی ہے، اس ہاتھ کو اعلیٰ، محترم، مقدس، صاف ستھرے اور نفیس کاموں کے لیے تو استعمال کیا جاسکتا ہے، گھٹیا اور رذیل کاموں کے لیے نہیں؛ چناں چہ! دائیں ہاتھ کے شرف واحترام کی وجہ سے استنجا کرتے ہوئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

کتنے ڈھیلوں سے استنجاء کیا جائے؟

(۳) تیسری ہدایت یہ کی گئی ہے کہ استنجے کے لیے کم از کم تین ڈھیلوں کو استعمال کیا جائے، اس کی وجہ یہ تھی کہ عام طور پر صفائی تین پتھروں سے کم میں پوری طرح نہیں ہوتی؛ اس لیے حکم دیا گیا کہ تین پتھر استعمال کرکے اچھی طرح اور مکمل صفائی کی جائے؛ چناں چہ اگر کسی شخص کی صفائی تین پتھروں سے حاصل نہ ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تین سے زائد پتھر استعمال کرے تاکہ کامل صفائی ہوجائے۔ نیز حدیثِ مذکور میں پتھر کا ذکر کیا گیا ہے، یہ اس زمانے میں ملنے والی عام چیز کی وجہ سے تھا، موجودہ دور میں شہروں میں بنے ہوئے پختہ بیت الخلاء میں ٹوائلٹ پیپر استعمال کیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں؛ اسی طرح ہر وہ پاک چیز جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو اور اس کا استعمال اس کام کے لیے موضوع بھی ہو اور جسم کے لیے نقصان دہ بھی نہ ہو۔

جانوروں کے فضلات سے استنجاء کرنے کا حکم

(۴) چوتھی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ استنجا کے لیے کسی جانور کی گری پڑی ہڈی یا ان کے فضلے (لید، گوبر وغیرہ) کو استعمال نہ کیا جائے، دراصل اس طرح زمانۂ جاہلیت میں کرلیا جاتا تھا؛ حالانکہ یہ فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں متفرق طور پر قضائے حاجت سے متعلق بہت سے احکامات مذکور ہیں، نیز! فقہاء کرام نے ان احادیث کی روشنی میں بہت سے

مسائل کتبِ فقہ میں ذکر کیے ہیں، ذیل میں قضائے حاجت سے متعلق مختلف اہم مسائل نقل کیے جاتے ہیں؛ تاکہ ہم اپنا یہ عمل بھی شریعت کے مطابق انجام دے سکیں۔

قضائے حاجت سے قبل کی مسنون دعا

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حاجت کے ان مقامات میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے جب کوئی بیت الخلاء جائے تو چاہیے کہ پہلے یہ دعا پڑھے، أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبائِثِ''[ترجمہ: میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں خبیث جنوں اور خبیث جنّیوں سے۔

(سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، رقم الحديث: ٦، ٣/١، دار ابن الحزم)

اس دعا کی برکت سے انسان شریر جنات کے اثرات سے محفوظ ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ یہ گندی جگہیں جنات وشیاطین کا مسکن ہوتی ہیں اور یہ مخلوق ان جگہوں پر آکر فراغت حاصل کرنے والوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی ہے؛ اسی لیے سرکارِ دو عالم ﷺ کی طرف سے اس بات کی تعلیم دی گئی کہ جب تم قضائے حاجت کے لیے ایسی جگہوں پر جاؤ تو ان کے شرور سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ میں آجایا کرو؛ چناں چہ روایات میں آتا ہے کہ اس دعا کے پڑھنے والا شریر جن اور شریر جنّیوں کے اثرات سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

قضائے حاجت کے بعد کی دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ جب بھی قضائے حاجت سے فارغ ہوتے تو ''غُفْرَانَكَ'' کہتے تھے [ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔

(السننالكبرىٰ للنسائي، كتاب الطهارة، ما يقول إذا خرج من الخلاء، رقم الحديث: ٩٨٢٥، مؤسسة الرسالة)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ ہوتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّيْ الْأَذىٰ وعَافَانِيْ''. (سنن کبریٰ ۹۸۲۵) ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جس نے مجھ سے گندگی دور کی اور مجھے تکلیف سے عافیت دی۔ یہ دعا بڑی اہمیت کی حامل ہے؛ اس لیے کہ انسان جو کچھ بھی کھاتا ہے،

اس کا ایک حصہ جسم کے لیے تقویت کا باعث بنتا ہے، اور ایک حصہ بہ طورِ فضلہ جسم سے خارج ہو جاتا ہے، اس غذا کا جسم سے خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، اگر یہ فُضلہ جسم سے نہ نکلے تو انسان بیماریوں میں مبتلا ہو جائے، اس دعا میں اللہ کی اس نعمت پر شکر ادا کرنا ہے، کہ اس نے ہمیں اس گندگی سے نجات دی، اس کو "أَذْهَبَ عَنِّيَ الْأَذى" سے تعبیر کیا، اسی کے مناسب "غُفْرَانَكَ" کے ساتھ کی جانے والی دعا ہے، حکمت اور مقصد اس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ جیسے تو نے میرے جسم سے زائد فضلات کو دور کر کے مجھے گندگی سے نجات عطا فرمائی اور مجھے عافیت جیسی عظیم نعمت نصیب فرمائی، ایسے ہی تو میرے باطن کو صاف فرما دے اور میرے گناہوں کی مغفرت فرما۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ہم پر ایک اور انعام کیا کہ اس نے جسم سے ساری کی ساری غذا نہیں نکال دی، اگر ایسا ہو جاتا تو ہم زندہ ہی نہ رہتے، اس نعمت کے شکر کو "وعَافَانِيْ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ان دونوں دعاؤں "غُفْرَانَكَ" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّيَ الْأَذىٰ وعَافَانِيْ" کو جمع کر کے پڑھا جائے؛ البتہ اگر کسی کو دوسری دعا نہ آتی ہو تو پھر صرف "غُفْرَانَكَ" پڑھ لے۔

بیت الخلاء اور غسل خانہ اکٹھا ہونے کی صورت میں دعائیں کس جگہ پڑھی جائیں؟

آج کل گھروں میں باتھ روم، حمام، واش بیسن وغیرہ اکٹھے بنے ہوتے ہیں، اس صورت میں جب قضائے حاجت کے لیے ان جگہوں میں داخل ہو تو غسل خانے میں داخل ہونے سے پہلے دعا پڑھے، اور جب فارغ ہو کر کے نکلے تو نکلنے کے بعد دعا پڑھے۔

نیز! اگر قضائے حاجت کسی میدان، جنگل یا صحراء وغیرہ میں کرنی پڑے تو اس صورت میں قضائے حاجت سے پہلے پڑھی جانے والی دعا ستر کھولنے سے قبل پڑھے اور قضائے حاجت کے بعد پڑھی جانے والی دعا ستر چھپا لینے کے بعد پڑھے۔

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب: في دلالة المفهوم، ۲۲۷/۱، دار عالم الكتب)

اسی کی طرف حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی اشارہ موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس دعا کے پڑھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "جب تم بیت الخلاء میں داخل ہو، یا داخل ہونے کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھ لو"۔ (السنن الكبرىٰ للنسائي، كتاب الطهارة، ما يقول إذا دخل في الخلاء، رقم الحديث: ۹۸۲۳، ۹/ ۳۵، مؤسسة الرسالة)

البتہ! اس جگہ ایک بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اوپر ذکر کردہ لفظِ ''بیت الخلاء'' سے مراد زمانہ ماضی کے وہ بیت الخلاء ہیں، جہاں قضائے حاجت کر لینے کے بعد گندگی ونجاست پڑی رہتی تھی، بعد میں اسے اکٹھا کر کے دور جنگل وغیرہ میں جا کر پھینکا جاتا تھا، موجودہ دور کے پختہ اور سنگ مرمر کے بنے ہوئے بیت الخلاء اس مفہوم سے بالاتر ہیں، پس اگر اس قسم کے بیت الخلاء میں گندگی وغیرہ پھیلی ہوئی نہ ہو تو اس میں دعا ستر کھولنے سے قبل پڑھی جائے، اس کی بھی گنجائش ہے؛ کیوں کہ ان بیت الخلاؤں میں دعا پڑھنے کی صورت میں وہ خرابی نہیں ہے جو گندگی والے بیت الخلاء میں لازم آتی تھی؛ لیکن اس صورت میں بھی بہتر یہی ہے کہ دعا بیت الخلاء سے باہر پڑھ کے داخل ہوا جائے۔

بیت الخلاء میں زبان سے کلمہ پڑھنے اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا حکم:

بیت الخلاء میں زبان سے کلمہ پڑھنا، کوئی ذکر کرنا، قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا یا اندر جا کر مسنون دعا پڑھنا جائز نہیں؛ البتہ دل ہی دل میں ذکر کرنا یا چھینک وغیرہ کے جواب میں دل میں ہی ''الحمدللہ'' کہنا جائز ہے۔

(الفتاوى العالمگيريه، كتاب الطهارة، الفصل الثالث في الاستنجاء: ۱/ ۵۰، رشيديه)

بیت الخلاء میں لفظِ ''اللہ'' اور حروفِ مقطعات والی انگوٹھی یا لاکٹ پہن کے جانے کا حکم

بیت الخلاء میں ایسی انگوٹھی یا لاکٹ پہن کے جانا، جس پر لفظِ اللہ یا حروفِ مقطعات لکھے ہوں جائز نہیں ہے، ایسی انگوٹھی یا لاکٹ باہر رکھ کے پھر داخل ہونا چاہیے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا عمل نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے تو اپنی انگوٹھی اتار کر باہر ہی رکھ دیتے تھے۔

(سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل إذا دخل الخلاء، رقم الحديث: ٦، ١/ ٣، دار ابن الحزم)

اگر یہ چیزیں کسی چیز میں لپٹی ہوئی ہوں یا جیب میں ہوں یا لاکٹ گریبان میں قمیص کے نیچے چھپا ہوا ہو تو ان کے ساتھ بیت الخلاء میں جانے کی گنجائش ہے؛ لیکن بہتر پھر بھی یہی ہے کہ یہ اشیاء باہر رکھ کے اندر جائیں۔

کن چیزوں سے استنجاء کرنا جائز ہے اور کن سے ناجائز؟

کاغذ، کھانے کی چیز، گوشت، درخت کے پتوں، نجس اشیاء، ہڈی، لید، گوبر، شیشہ، پختہ اینٹ، کوئلہ، ٹھیکری، بال اور اسی طرح دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا جائز نہیں، اس کے علاوہ ہر ایسی

چیز جو قابلِ احترام نہ ہو، خوراک نہ ہو، جسم کے لیے نقصان دہ بھی نہ ہو اور قیمتی بھی نہ ہو تو اس سے استنجا کرنا جائز ہے۔

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، صفة الاستنجاء بالماء، ۵۵/۱، دار الكتب العلمية)

ڈھیلوں سے استنجار کرنے کا حکم

اگر کوئی شخص پانی سے استنجار کرنے کے بجائے صرف ڈھیلوں سے استنجار کرنا چاہے تو اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر نجاست مخرج سے تجاوز کر جائے اور زائد کی مقدار ایک درہم سے زائد نہ ہو، تو بغیر دھوئے صرف ڈھیلے کے استعمال کرنے سے طہارت حاصل ہوجائے گی۔

لیکن مخرج سے تجاوز کرنے والی نجاست اگر درہم کی مقدار سے زائد ہو تو اسے بلا عذر دھوئے بغیر چھوڑ دینا اور اسی طرح نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے اور اگر بقدرِ درہم یا اس سے کم ہو تو مکروہِ تنزیہی ہے۔

(رد المحتار: كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۵۲۲/۱، دار عالم الكتب)

دیر تک قطرے آنے والوں کے لیے طہارت کا طریقہ

اگر پیشاب کرنے کے بعد کسی کو قطرے آنے کا مرض ہو تو اسے چاہیے کہ پہلے ڈھیلے یا ٹوائلٹ پیپر سے اچھی طرح خشک کر لے، حتی کہ پیشاب کی نالی کو خالی کرنے کی اپنی مقدور بھر کوشش کر لے، اس کے بعد پانی سے استنجار کرے۔

(ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس، مطلب في الفرق بين الاستبراء والاستسقاء والاستنجاء: ۵۵۸/۱، دارعالم الكتب)

پردے کی عدم موجودگی میں صرف ڈھیلوں کے استعمال کا حکم

اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ ہو جہاں پردے کے ساتھ استنجار کرنا ممکن نہ ہو تو وہاں قضائے حاجت کے بعد صرف ڈھیلوں یا ٹوائلٹ پیپر کے ساتھ استنجار کرنے پر اکتفار کرے، ایسی جگہ پر دوسروں کے سامنے ستر کھول کر پانی سے استنجار کرنا جائز نہیں۔

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، صفة الاستنجاء بالماء، ۵۵/۱، دار الكتب العلمية)

شلّ ہاتھ والا استنجار کیسے کرے؟

اگر کسی شخص کا بایاں ہاتھ شل ہو اور وہ اپنے بائیں ہاتھ سے استنجار کرنے پر قادر نہ ہو؛ تو دائیں ہاتھ سے استنجار کرے اور اگر دایاں ہاتھ بھی شل ہو تو پھر ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ کوئی

دوسرا شخص (اپنی نظروں کی حفاظت کرتے ہوئے) پانی ڈالے اور اگر کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو تو ایسے شخص سے استنجاء معاف ہے۔

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، صفة الاستنجاء بالماء، ۵۵/۱، دار الكتب العلمية)

مریض آدمی کے لیے استنجاء کا حکم

ایسا مریض جو وضو کرنے پر قادر نہ ہو؛ لیکن اس کی بیوی موجود ہو تو وہ اسے استنجاء اور وضو کرائے اور اگر اس کی بیوی نہ ہو؛ لیکن بیٹا یا بھائی موجود ہو تو اس کا بیٹا یا بھائی اس مریض کو وضو کرائے۔ اسی طرح کوئی عورت مریضہ ہو اور اس کا شوہر بھی ہو تو اس کا شوہر اپنی بیوی کو بوقت ضرورت وضو بھی کروائے گا اور استنجاء بھی کروائے گا اور اگر اس کا شوہر نہ ہو؛ لیکن اس کی بیٹی یا بہن موجود ہوں تو وہ وضو کرائیں۔

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، صفة الاستنجاء بالماء، ۵۵/۱، دار الكتب العلمية)

قضائے حاجت کے وقت باتیں کرنا اور ایک دوسرے کے ستر کو دیکھنا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو آدمی قضاء حاجت کرتے ہوئے آپس میں باتیں نہ کریں کہ دونوں ایک دوسرے کے ستر کو دیکھ رہے ہوں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر ناراض ہوتے ہیں''۔

(سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب النهي عن الاجتماع علىٰ الخلاء والحديث عنده، رقم الحديث: ۳۴۲، ۷۸/۱، مكتبة المعارف، الرياض)

انسانی شرافت سے بہت دور اور بڑی بدتہذیبی کی بات ہے کہ دو افراد ننگے ہو کر ایک دوسرے کے سامنے اپنی حاجت سے فارغ ہوں اور اس سے بھی بڑی بے حیائی یہ ہے کہ اس دوران وہ دونوں آپس میں بات چیت بھی کرتے رہیں، یہ امر شرعاً جائز نہیں ہے۔

ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کا حکم

اگر کسی جگہ پانی کھڑا ہو تو اس میں پیشاب کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس پانی کو بہت سے کاموں میں استعمال کیا جانا ممکن ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے''۔ (سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الراكد، رقم الحديث: ۳۴۴، ۷۸/۱، مكتبة المعارف، الرياض)

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا حکم

آج کل جدید تہذیب کے دلدادے، مغربیت کی تقلید میں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کو جدیدیت، تہذیب اور اسلوب زندگی شمار کرتے ہیں، اس عمل کے لیے نہ بیٹھنے کو ضروری خیال کرتے ہیں اور نہ ہی پانی سے استنجاء کرنے کو کوئی اہمیت دیتے ہیں، اب تو باقاعدہ ہر جگہ پیشاب کے لیے دیواروں میں ایسی جگہیں بنائی جاتی ہیں، جہاں کھڑے ہوکر پیشاب کرنا ممکن ہوتا ہے، اور ایسے بیت الخلاء ائیر پورٹ، ریلوے اسٹیشن، رُوٹ کی بڑی بسوں کے اڈوں اور سعودیہ میں حاجیوں کے لیے تیار کی جانے والی رہائش گاہوں میں تیار کیے گئے ہوتے ہیں؛ حالاں کہ کھڑے ہوکر استنجا کرنا شرعاً ممنوع ہے، اس فعل کے مرتکب اپنے کپڑوں کو بھی پاک نہیں رکھ سکتے اور اپنے بدن کو بھی نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک بار (ابتدائے اسلام میں جب مجھے مسئلے کا علم نہیں تھا) مجھے کھڑے ہوکر پیشاب کرتے ہوئے دیکھ لیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عمر! کھڑے ہوکر پیشاب مت کر''، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے (کبھی) کھڑے ہوکر پیشاب نہیں کیا۔ (سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب في البول قاعداً، رقم الحديث: ۳۰۸، ۱/۱۹۶)

درحقیقت یہ دشمنانِ اسلام کی سازش ہے، کہ مسلمانوں کو ان کے پیغمبر علیہ السلام کی مبارک سنتوں سے اتنا دور کردیا جائے کہ وہ اپنے ہی مسلم معاشرے میں اپنے نبی کی اتباع میں عار محسوس کریں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود اپنی ذات سنت طریقے کے مطابق کرلیں، اور اپنی اولاد بالخصوص نابالغ اولاد کی نگرانی کریں، کہ کہیں کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی عادی تو نہیں بن رہی ہیں یا وہ پیشاب کرنے کے بعد استنجا لیتی ہے یا نہیں؟! اور اگر ایسا محسوس ہو تو فوراً مناسب تنبیہ کریں۔

پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کا وبال

کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی صورت میں کپڑوں پر یا بدن پر چھینٹوں کا گرنا ایک یقینی امر ہے، دیکھنے کے اعتبار سے تو یہ چھوٹا اور معمولی عمل ہے؛ لیکن جزا کے اعتبار سے پیشاب کی چھینٹوں سے اپنے آپ کو نہ بچانا بہت بڑے وبال کا سبب ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بار نبی اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور ان دونوں کو عذاب کوئی بڑے بڑے اور مشکل کاموں کی وجہ سے نہیں ہو رہا؛ بلکہ ان میں سے ایک کو پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور دوسرے کو غیبت کرنے کی وجہ سے''۔

(سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب: التشديد في البول، رقم الحديث: ٣٤٩، ١/ ٢١٩، دار المعرفة، بيروت)

اس لیے پیشاب کرنے کے بعد بہتر یہ ہے کہ پہلے کسی ڈھیلے یا ٹشو پیپر وغیرہ سے قطرات کو خشک کریں، اس کے بعد پانی کا استعمال کریں۔ اس طریقے سے مثانہ اور پیشاب کی نالی اچھی طرح خالی ہو جاتی ہے، فارغ ہونے کے بعد قطرے وغیرہ ٹپکنے سے امن رہتا ہے۔

قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرکے پیشاب کرنے کا حکم

قضائے حاجت کے احکام میں سے ایک حکم یہ بھی ہے کہ اس عمل کے دوران قبلے کی طرف نہ منہ کیا جائے اور نہ ہی پُشت، ایسا کرنا مکروہِ تحریمی ہے، چاہے قضائے حاجت کا وقت ہو یا (ننگے ہو کر) غسل کرنے کی حالت ہو، شہر میں ہو یا دیہات میں، جنگل میں ہو یا صحرا میں، تمام صورتوں میں یہی حکم ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم میں سے کوئی پیشاب کرنے کے لیے آئے تو قبلے کی طرف نہ چہرہ کرے اور نہ ہی پشت کرے۔ (صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب لا يستقبل القبلة بغائط أو بولٍ، رقم الحديث: ١٤٤، ١/ ٦٨، المكتبة السلفية)

قبلے کی طرف بنے ہوئے بیت الخلاء کا حکم

اگر کسی گھر میں بیت الخلاء قبلہ رُو بنا ہوا ہو یا اس طرح بنا ہو کہ قبلہ کی طرف پُشت ہوتا ہو تو اہلِ خانہ پر ٹھیک سمت میں بیت الخلاء بنانا واجب ہے، البتہ اگر اُس بیت الخلاء میں اپنا رُخ قبلہ کی طرف سے پھیر کر بیٹھے تو جائز ہے۔

(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الطهارة، صفة الاستنجاء بالماء، ١/ ٥٥، دار الكتب العلمية)

دودھ پیتے بچوں کے لیے استقبال قبلہ کا حکم

والدہ یا ہر ایسا شخص جو بچوں کو قضائے حاجت کروائے، اس کے لیے ان بچوں کو لے کر قبلہ

کی طرف رکھ کر کے بیٹھنا یا قبلہ کی طرف پشت کر کے بیٹھنا جائز نہیں؛ ، بلکہ وہ بھی شمالاً یا جنوباً بیٹھ کے قضائے حاجت کروائیں۔

(رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/ ۵۵۵، دار عالم الکتب)

مریض کے لیے استقبال قبلہ اور استدبار قبلہ کا حکم

جو شخص مرض کی وجہ سے خود اپنا رُخ بدلنے پر قادر نہ ہو تو اس شخص کے تیماردار قضائے حاجت کے وقت اس کو ایسے طریقے سے اٹھائیں یا لٹائیں کہ بہ وقت قضائے حاجت اس کا رُخ یا پیٹھ قبلہ کی طرف نہ ہو، اسی طرح ہسپتالوں میں بھی انتظامیہ کو چاہیے کہ مریضوں کے بیڈ/بستر قبلہ رُخ پر حتی الوسع بچھانے سے گُریز کریں۔

بیت الخلاء جاتے ہوئے سر ڈھانپنا

بیت الخلاء جاتے ہوئے سر ڈھانپ کے جانا بھی سنت ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ بیت الخلاء میں داخل ہوتے تھے تو اپنے سر کو ڈھانپ لیتے تھے۔

(السنن الکبریٰ للبیهقي، کتاب الطهارة، باب تغطیة الرأس عند دخول الخلاء، رقم الحدیث: ٤٦٤، ١/ ٩٦، دائرة المعارف، دکن)

پیشاب پاخانہ کی طرف دیکھنے کی ممانعت

اپنے بول و براز کی طرف دیکھنا خلاف ادب ہے، علامہ طحطاویؒ نے لکھا ہے کہ یہ نسیان کو پیدا کرتا ہے۔ (کتاب الطهارة: ۱/ ۳۱، دار الکتب العلمیة)

قضائے حاجت کے بعد زمین پر ہاتھ ملنے کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''نبی اکرم ﷺ نے جب استنجاء کر لیا تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر رگڑا''۔

(سنن الترمذي، کتاب الطهارة، باب: دلك الید بالأرض بعد الاستنجاء، رقم الحدیث: ۵۰، دار السلام)

موجودہ دور میں اس عمل پر قادر شخص کے لیے یہ عمل بھی مسنون ہوگا، بصورت دیگر صابن وغیرہ سے ہاتھوں کو دھو لینا بھی اس کا قائم مقام ہو جائے گا۔

استنجا کے بعد ہاتھ دھونے کا حکم

استنجاء کرنے کے بعد اگر ظنِ غالب ہو کہ ہاتھ صاف ہو گئے ہیں اور بدبو وغیرہ بھی ختم ہو گئی

ہے تو مزید صفائی کے لیے ہاتھ دھونا مسنون ہے؛ لیکن ضروری نہیں ہے، مطلب یہ کہ اگر یہ شخص ہاتھ نہ دھوئے تو عنداللہ مجرم نہیں ہوگا۔

(الفتاویٰ الهندية، كتاب الطهارة، صفة الاستنجاء بالماء، ۱/ ۵۵، دار الكتب العلمية)

جن جگہوں میں استنجاء کرنا مکروہ ہے

جن جگہوں میں استنجاء کرنا مکروہ ہے وہ درج ذیل ہیں: پانی میں، حوض یا چشمے کے کنارے، پھل دار درخت کے نیچے، کھیتی میں، ہر ایسے سایہ میں جہاں لوگ بیٹھتے ہوں، مساجد اور عیدگاہ کے پہلو میں، قبرستان میں اور مسلمانوں کی گذرگاہ میں، سورج یا چاند کی طرف منہ کر کے، ڈھلوان (نیچے والی سطح) میں بیٹھ کے اوپر کی جانب پیشاب کرنا، ہوا کے رُخ پر پیشاب کرنا، چوہے، سانپ یا چیونٹی کے بل میں پیشاب کرنا۔ غرض جس جگہ سے بھی لوگوں کا نفع وابستہ ہو اور وہاں ناپاکی یا گندگی ان کے لیے تکلیف دِہ ہو یا اس عمل کی وجہ سے خود اس کو کسی ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو، وہاں پیشاب پاخانہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الانجاس، ۱/ ۶۵۲، دارالكتب العلمية)

قضائے حاجت کا مفصل طریقہ

جب کوئی شخص بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ کرے، تو اس کے لیے مناسب ہے کہ ایسے وقت میں ہی چلا جائے جب اس پر قضائے حاجت کا بہت زیادہ تقاضا نہ ہو؛ بلکہ یہ شخص اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے پہلے ہی بیت الخلاء میں داخل ہو جائے، اس دوران یہ شخص اپنے ساتھ کوئی ایسی چیز جس پر اللہ کا نام (یا قرآنِ پاک کی آیت وغیرہ لکھی ہوئی) ہو، نہ لے جائے، اور ننگے سر بھی نہ جائے، جب دروازے کے پاس پہنچ جائے تو بیت الخلاء میں داخل ہونے والی دعا پڑھنے سے قبل ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے، پھر دعائے ماثورہ ''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ'' پڑھے، پھر بایاں پاؤں اندر داخل کرے، پھر زمین کے قریب ہو کر ستر کھولے، پھر اپنے پاؤں کو قدرے کشادہ کر کے اس طرح بیٹھے کہ اس کے بدن کا زیادہ وزن بائیں پاؤں پر ہو، اس حالت میں یہ شخص اُخروی امور (مثلاً: علم دین، فقہ وغیرہ) کے بارے میں نہ سوچے، کوئی شخص اِس کو سلام کرے تو اُسے جواب نہ دے، مؤذن کی آواز اس کے کانوں میں پڑے تو اُس کا جواب نہ دے، اس حالت میں اس کو چھینک آئے تو ''الحمد للہ'' نہ کہے، اپنے اعضائے مستورہ کی طرف نظر نہ کرے، بدن سے نکلنے والی گندگی کی طرف بھی نہ دیکھے، پاخانہ پر

تھوک، ناک کی رینٹھ، اور بلغم وغیرہ نہ تھوکے، بہت زیادہ دیر تک وہاں نہ بیٹھے، آسمان کی طرف نہ دیکھے، بلکہ معتدل کیفیت کے ساتھ رہے، پھر جسم سے خارج ہونے والی نجاست کو پانی ڈال کر اچھی طرح بہادے، پھر جب فارغ ہو جائے تو شرمگاہ کے نیچے کی جانب موجود رَگ پر اپنی انگلی پھیر کے اُسے اچھی طرح پیشاب کے قطروں سے خالی کر دے، پھر تین پتھروں سے اپنے عضو سے نجاست دور کرے، پھر فارغ ہو کے سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے اپنے ستر عورت کو چھپالے، پھر اپنا دایاں پاؤں بیت الخلاء سے باہر نکال کر قضائے حاجت کے بعد کی دعا پڑھے "غُفْرَانَكَ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذْهَبَ عَنِّيْ الْأَذىٰ وعَافَانِيْ"۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الطھارۃ، باب الأنجاس: ۱/۵۹۵، دارعالم الکتب)

قضائے حاجت کے وقت کی احتیاطیں

تکمیل عبادات کے لیے چوں کہ طہارتِ کاملہ ضروری ہے؛ اس لیے قضائے حاجت سے فراغت پر استنجاء کرتے وقت مبالغے کی حد تک اپنے آپ کو پیشاب کے قطروں اور ناپاکی سے بچانا ضروری ہے، بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ پختہ بیت الخلاء اور پانی سے استنجاء کرنے کا معمول عام ہو چکا ہے، احتیاط لازم ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ جیسے ہی بیت الخلاء میں داخل ہو، اسی وقت ٹونٹی کھول کے پانی کے ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ کرلے، اس کے علاوہ بیٹ الخلاء میں ٹشو پیپر بھی ضرور رکھنے چاہئیں؛ تاکہ بوقت ضرورت ان کو استعمال کیا جاسکے۔

جن مقامات میں ٹونٹیوں کی حالت معلوم نہ ہو وہاں لوٹے کو اوپر اٹھا کر ٹونٹی کے قریب کر کے پانی بھریں، پھر نیچے رکھ دیں، اسی طرح پیشاب کرنے میں احتیاط اس طرح برتی جائے کہ پیشاب فلش میں سامنے کی ٹھوس جگہ میں قوت سے نہ ٹکرائے؛ کیوں کہ اس صورت میں اسی قوت کے ساتھ چھینٹیں اڑنے کا قوی امکان ہوتا ہے، اس سے حفاظت اسی صورت میں ممکن ہے کہ پیشاب فلش کی سائڈوں میں گرے نہ کہ سامنے والے حصے میں۔

آخر میں اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں دین کے اس اہم اور عظیم الشان حکم کو نہایت کامل اور احسن طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❁ ❁ ❁

صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں علمائے دیوبند کا معتدل موقف

از: مولانا اشتیاق احمد قاسمی
مدرس دارالعلوم دیوبند

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد روئے زمین کی سب سے برگزیدہ جماعت ہیں، قرآن کریم میں ان کی ایمانی صداقت، ان کے فضائل وکمالات وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، ان سے رضائے الٰہی کی شہادت کی بھی بار بار صراحت ہے؛ ان سب کے باوجود صحابۂ کرامؓ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں؛ ہاں محفوظ ضرور ہیں؛ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے کسی غلطی پر اصرار نہیں کیا، غلطی ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگ لی، توبہ واستغفار کرلیے؛ اس لیے پوری امت کا عقیدہ ہے کہ گناہ کے صادر ہونے کی وجہ سے ان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا، رضائے الٰہی اور رحمتِ خداوندی کے مینارۂ نور پر وہ بہ دستور فائز ہیں، ان سے ان کی عدالت ہرگز مجروح نہیں ہوئی، پوری اُمت نے بڑے ہی احترام کے ساتھ ان کو "الصحابةُ کلُّهم عَدُول" کا سہرا پہنایا ہے۔

قیامت تک وہی فرقہ اہلِ حق کہلائے گا جو صحابۂ کرامؓ کے مطابق دین کی تشریح کرے گا، جو فرقہ صحابۂ کرامؓ کی روِش سے جتنا دور ہوگا، وہ حق سے اتنا ہی دور ہوگا، اور جو جتنا قریب ہوگا وہ حق سے اتنا ہی قریب ہوگا، اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد ایسا نہیں جو صحابۂ کرامؓ پر لعن طعن کو جائز سمجھتا ہو، صحابۂ کرامؓ کی عدالت پر امتِ مسلمہ میں سلف وخلف کا اجماع ہے، محدثین نے روایتِ حدیث کی تحقیق میں جرح وتعدیل کے اصول مرتب کیے؛ مگر صحابۂ کرامؓ کی چوکھٹ پر آکر سب کے سب رُک گئے، کسی نے ایک قدم آگے نہیں بڑھایا۔ ہر ایک نے سارے صحابۂ کرامؓ کو عادل وصادق قرار دیا، کسی کو نقد وجرح کا نشانہ نہیں بنایا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے علاوہ فرقوں نے صحابۂ کرامؓ کو نشانہ بنایا، مثلاً ماضی بعید میں معتزلہ اور خوارج نے صحابۂ کرامؓ کو تنقید کا نشانہ بنایا، شیعوں نے مخالفت میں نہایت مکروہ روش اختیار کی، یہ

صحابۂ کرامؓ کو کافر ومرتد کہتے ہوئے بھی نہیں چوکتے، عصر حاضر کے بعض فرقے صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں انھیں باطل فرقوں کی روش پر ہیں؛ مثلاً ''جماعتِ اسلامی کے سربراہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جگہ جگہ صحابہؓ پر تنقید کی ہے، ان کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، ایک جگہ نہایت ہی بے باکی سے لکھتے ہیں:

''محض صحابیت کے شرف سے کوئی غلطی ''شریف کام'' نہیں بن سکتا؛ بلکہ صحابی کا بلند مقام اس غلطی کو حد درجہ نمایاں کردیتا ہے۔'' (خلافت وملوکیت، ص:۱۴۳)

مولانا مودودیؒ نے جماعتِ اسلامی کے دستور میں یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے علاوہ کوئی بھی تنقید سے بالاتر نہیں (دستور جماعت اسلامی ص ۵)، گویا انھوں نے صحابۂ کرامؓ پر تنقید کرنے کو اپنے اصول میں داخل کیا ہے۔ ان کے نزدیک صحابۂ کرامؓ کے اقوال وافعال کی کوئی اہمیت نہیں، یہ بھی شیعہ اور خوارج کی طرح اہل السنۃ والجماعۃ کی راہِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

عصرِ حاضر کے فرقوں میں غیر مقلدین بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے طرزِ فکر وعمل سے منحرف ہیں، انھوں نے آثارِ صحابہؓ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا، اجماعِ صحابہؓ کا انکار کیا، اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ انھوں نے ''بیس رکعات تراویح'' کو بدعتِ عمری قرار دیا، ''جمعہ کی پہلی اذان'' کو بدعتِ عثمانی قرار دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ترکِ رفع یدین کو نقل کیا تو ان پر الزامات کی بوچھاڑ کردی، صحابۂ کرامؓ کے اجتہادات ان کے فتاویٰ اور تفاسیر کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا، بعض غیر مقلدین نے صحابۂ کرامؓ کے خلاف بغض ونفرت کا شدید اظہار کیا ہے؛ چناں چہ:

❁ مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحیدالزماں حیدرآبادی لکھتے ہیں: ''بعض صحابہ فاسق تھے'' (نزلُ الأبرار، ۹۴/۲) انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ''معاویہؓ پر دنیا کی طمع غالب ہوگئی تھی، ان کو تمام خاندانِ رسالت سے دشمنی تھی''۔ (لغاتُ الحدیث: ۱۴/۲) ایک جگہ انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ وعمرو بن عاصؓ دونوں کو باغی سرکش اور شریر لکھا ہے۔ (لغاتُ الحدیث: ۳۶/۲)

❁ ایک دوسرے غیر مقلد عالم مولوی عبدالحق لکھتے ہیں: ''عائشہ حضرت علیؓ سے لڑتے ہوئے مرتد ہوئی، اگر بے توبہ مری تو کافر مری''۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''صحابہ کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں، ہم کو سب حدیثیں یاد ہیں، صحابہؓ سے ہمارا علم بڑا ہے صحابہؓ کو علم کم تھا''۔ (کشف الحجاب: ص:۲۱)

❁ ایک دوسرے غیر مقلد جناب حکیم فیض عالم لکھتے ہیں: ''سیدنا علیؓ کے خودساختہ حکمرانہ عبوری دور کو خلافتِ راشدہ میں شمار کرنا صریحاً دینی بددیانتی ہے''۔ اس طرح کی گستاخی اس کتاب

میں متعدد جگہوں پر موجود ہے۔ (خلافتِ راشدہ، ص: ۵۵، ۵۶)

ایک جگہ حضرت حسنؓ و حسینؓ کی توہین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضراتِ حسنینؓ کو زُمرۂ صحابہؓ میں شمار کرنا صریحاً سبائیت کی ترجمانی ہے، یا اندھا دھند تقلید کی خرابی۔'' (سیدنا حسن بن علیؓ، ص: ۲۳)

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''سیدنا حسنؓ کی موت کے متعلق اپنی تالیفات ''عترتِ رسول ﷺ'' اور ''حسن بن علیؓ'' میں دلائل کے ساتھ ثابت کر چکا ہوں کہ کثرتِ جماع، ذیابیطس اور تپِ محرقہ سے ہوئی، آپ کہاں شہید ہوئے تھے اور آپ کو کس نے شہید کیا تھا؟''۔ (خلافتِ راشدہ، ص: ۱۱۵)

ایک جگہ لکھتے ہیں: ''سیدنا حسنؓ کثرت سے حرم کی زندگی (کثرتِ جماع) کے دل دادہ تھے، جس کی وہ سے آپ کو بعض روایات کے مطابق آخری ایام میں سِل کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا۔'' (سیدنا حسن بن علیؓ، ص: ۸۰)

غیر مقلدین شیعوں کی طرح صحابۂ کرامؓ کے تئیں سب سے زیادہ گستاخ ہیں، مذکورہ بالا مثالیں محض نمونہ کے لیے دی گئی ہیں، ورنہ ان کی کتابیں اس طرح کے مکروہ مواد سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ لوگ ''عظمتِ صحابہؓ'' کے عنوان سے جہاں کہیں پروگرام کرتے ہیں وہ محض اہل السنۃ والجماعۃ کو دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں کہ آؤ! غیر مقلدیت قبول کرلو، ہم بھی تمہاری طرح صحابۂ کرامؓ کو مانتے ہیں، بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ شیعوں کی طرح تقیہ کرتے ہیں۔

علمائے دیوبند نے سلفِ صالحین کی طرح بلا استثناء سارے صحابہ کرامؓ کو عادل ومعتبر سمجھا ہے، ان کے نزدیک احکامِ شرعیہ کے لیے ایک طرف آیات واحادیث مآخذ ہیں، دوسری طرف آثارِ صحابہؓ بھی مآخذِ شریعت ہیں، ان سے بھی شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو براہِ راست دیکھا، اسلام کا کون سا حکم ناسخ اور کون سا حکم منسوخ ہے؟ یہ وہی بتا سکتے ہیں، کون سا عمل آپ ﷺ کے لیے خاص تھا اور کون سا امت کے لیے تھا؟ سب کو اچھی طرح جانتے تھے۔

قرآن وحدیث کی تشریحات کے ناقابلِ اعتماد ہونے کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو درمیان سے نکال دیا جائے، مسلمانوں کے جس فرقے نے آثارِ صحابہؓ کو درمیان سے نکال دیا، ان کی تحریروں کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے دین میں اپنی طرف سے بہت سی باتیں بڑھا دی ہیں؛ بلکہ انھوں نے دین اور احکامِ شرعیہ کو کھلونا بنا رکھا ہے شیعہ، جماعتِ اسلامی اور غیر مقلدین سب نے ایک ہی حجام سے سر مونڈوایا ہے۔

علمائے دیوبند نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار درج ذیل موقف کی صراحت کی ہے کہ:

۱-حضراتِ صحابہؓ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندے ہیں، انبیائے کرامؑ کے علاوہ جن وانس کا کوئی بھی فرد ان کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

۲-عہدِ نبوی کے بعد صحابۂ کرامؓ کا دور سب سے بہتر ہے۔

۳-صحابۂ کرامؓ کی محبت رسول اللہ ﷺ سے محبت کی علامت ہے اور اُن سے بغض وعناد رسول اللہ ﷺ سے بغض وعناد کی نشانی ہے، صحابۂ کرامؓ کو اذیت دینا خود رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے کے مرادِف ہے۔

۴-صحابۂ کرامؓ کی عیب جوئی کرنا اور ان کو تنقید وتنقیص کا نشانہ بنانا حرام، ناجائز اور اکبر الکبائر گناہ ہے۔

۵-امت کا سارا مجد وشرف، بزرگی اور وقار صحابۂ کرامؓ کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے، اور ان کا قول وعمل امت کے لیے حجت ہے۔

جو لوگ رطب ویابس تاریخی روایات پر اعتماد کرلیتے ہیں، اور محض ان بے سروپا روایات کی وجہ سے بعض صحابۂ کرامؓ پر سخت وست تنقید کرنے لگتے ہیں، ان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہائے امت نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ عقائد واحکام اور حلال وحرام کے باب میں ان روایات کی ہرگز کوئی اہمیت نہیں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں، صحابہؓ سے عقیدت واحترام کا راست تعلق عقائد سے ہے، عقیدے کے بغیر دین وایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ (مقامِ صحابہ، ص:۲۳)

اخیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ کا ایک مکتوب نقل کرنا مناسب ہے، فرماتے ہیں:

> ''صحابۂ کرامؓ کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیثِ صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں؛ مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں؛ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیثِ صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہوگا''۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام: ۲۴۲/۱، مکتوب نمبر:۸۸)

❁ ❁ ❁

انقلابی نظریات اور پیغمبرِ انقلاب ﷺ

از: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہ العالی

انقلاب کسے کہتے ہیں؟ انقلاب کیسا ہونا چاہیے؟ اور کیسے آئے گا؟ بہت اہم سوالات ہیں۔ آج ساری دنیا میں انقلاب لانے؛ بلکہ ''برپا'' کرنے کے لیے مختلف سیاسی و مذہبی جماعتیں اور تحریکات معرضِ وجود میں آرہی ہیں۔ عموماً اسلامی ممالک میں؛ جب کہ پاکستان میں خصوصاً انقلاب کا نام زبان زدِ عام ہوگیا ہے۔

انقلاب کہتے ہیں کسی قوم کے دماغ اور قلوب کا ایک حالت سے نکل کر دوسری حالت میں بدل جانا۔ اور انقلاب ایسا ہونا چاہیے کہ قوم سے معاشرتی برائیوں کا عنصر نکل جائے اور اچھائی کا عنصر اس کی جگہ لے لے۔

تیسرا سوال سب سے اہم ہے کہ یہ انقلاب کیسے آئے گا؟ اس بارے میں تاریخ کے اوراق میں پھیلی ''داستانِ انقلاب'' کو سمیٹا جائے تو چند نظریے سامنے آتے ہیں۔

پہلا نظریہ:

کسی نے تنگ دستی افلاس اور بھوک مری کو بڑھتا ہوا دیکھا تو اس نے اسبابِ دولت کی فراہمی کو نقطۂ انقلاب قرار دیا اور یہ کہا کہ دولت کماؤ اور ہر جائز و ناجائز، حلال و حرام کی قیود سے بالاتر ہوکر خواہ سودی نظام سے ہو یا رشوت خوری سے، طریقۂ آمدنی کی پرواہ کیے بغیر دولت کما کر مفلوک الحال اور بے بس انسانیت کی بھوک کو مٹانا ہی اس وقت کا ''حقیقی انقلاب'' ہے۔

دوسرا نظریہ:

جہالت اور جدید ٹیکنالوجی وعلوم وفنون سے دوری ہمیں بہ حیثیت قوم پیچھے دھکیل رہی ہے؛ لہٰذا ایسے انقلاب کی راہ ہموار کی جائے کہ سب لوگ تعلیم یافتہ ہوں۔ ہاں اس کی پرواہ بھی نہ کی جائے کہ معیارِ تعلیم کیسا ہو؟ بنیادی اکائی توحید خداوندی سے الگ تھلگ رہ کر بھی تعلیم وتعلّم کا تاج

سر پر سجایا جاسکتا ہے اور نبوت ورسالت کی راہنمائی لیے بغیر بھی؛ بلکہ ان سے مخالفت کرکے بھی ''مخلوط نظامِ تعلیم'' عام کیا جائے؛ تاکہ انقلاب کا یہ عمل تشنہ نہ رہ جائے۔

تیسرا نظریہ:

اصل درپیش مسئلہ تو غلامی ہے جب تک آزادی ہر طرح کی آزادی اور ہر قاعدے اور ضابطے سے آزادی حاصل نہ کرلی جائے، انقلاب کی روح رونما نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا حریت اور آزادی کی مالا پہنے بغیر ''حقیقی انقلاب'' کبھی نہیں آسکتا؛ اس لیے بلا امتیاز اچھے اور برے حکمرانوں سے ٹکرا کر اپنی آزادی حاصل کرو اور ''میں نہیں مانتا'' کا اصول ہر منصف اور جابر حکمران کے سامنے کہہ ڈالو۔

چوتھا نظریہ:

انقلابی مفکرین کے گروہ اختلاف وافتراق کو قوم کی ذلت اور پسماندگی کا سبب بتلا رہے ہیں اور اس مسئلے کو حل کیے بغیر کسی صورت میں قوم کو انقلاب کی معنویت سمجھانے سے قاصر ہیں۔ ان کے ہاں اتحاد ویکجہتی اور اتفاق کی فضا ہموار کرنا ہی اصل انقلاب ہے، بھلے وہ اتحاد کسی سے بھی ہو... دین دشمن سے ہو یا انسانیت کے دشمن سے؛ بس سب سے بنا کر رکھنے میں ہی انقلاب کا راز مضمر سمجھتے ہیں۔

یہ سب اپنی جگہ! بھوک وافلاس کو ختم کرنا ضروری ہے، جہالت اور جدید علوم سے دوری کی خلیج کو پاٹنا بھی بے شک مناسب ہے، غلامی کی زنجیروں کو توڑنا بھی لازمی ہے اور اختلاف وافتراق کی دبیز چادر کو پھاڑنا بھی ضروری ہے۔

لیکن کیسے؟

پیغمبرِ انقلاب ﷺ نے إنّي رَسُوْلُ اللّٰه! کا عالمگیر نعرہ لگا کر قرآنِ کریم جیسا ابدی دستور تھامے فاران کی چوٹیوں پر لوگوں کو یہ خطاب نہیں فرمایا تھا کہ تمہیں بھوک وافلاس نے تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے، تنگ دستی تمہیں ناکامی کی دلدل میں اتار رہی ہے؛ لہٰذا دولت کماؤ خوب کماؤ جائز وناجائز طریقِ کار کو اپنا کر کماؤ سود اور رشوت سے مت گھبراؤ؛ بس اپنی زندگی کا مقصد دولت کا حصول رکھو۔

اور نہ ہی پیغمبرِ انقلاب نے جدید علوم وفنون کی تعلیم کے لیے مخلوط ادارے کھولے۔ نہ ہی آپ نے تعلیم کے نام پر صنفِ نازک کے سر سے حیا وعفت اور پاک دامنی وپاک بازی کے آنچل

کوسرکایا۔آزادی کی آڑ میں پیغمبرِانقلاب کی تعلیمات میں کہیں یہ نہیں ملتا کہ بس غلامی کے طوق کو اتار پھینکنے سے تمہاری آخرت سنور جائے گی اور بس!

اتحادِملل کے لیے کفار نے یہ منصوبے بھی آپ تک بہم پہنچادیے کہ ایک دن تم ہمارے خداؤں کی عبادت کرو اور ایک دن ہم تمہارے خدا کی عبادت کرکے اتحاد واتفاق کی مثال قائم کرتے ہیں۔آپ ہی بتلادیں کہ کیا پیغمبرِانقلاب نے اُن کی اِن شرائط کوقبول فرمالیا تھا؟نہیں ہرگزنہیں؛ بلکہ عملاً فرمایا کہ جس کام کے کرنے کا میں حکم دوں اسے کرو اور جس سے روکوں اس سے باز آجاؤ مَا آتَاکُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یہ انسانی اور حقیقی انقلاب کی روح اوراساس ہے۔

اسی اساس پر آج اصلی اور حقیقی انقلاب کی تعمیر ہوسکتی ہے۔پھر تاریخ شاہد ہے کہ اس انقلاب کو بارآوار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک ایسی جماعت دی جس نے ہر میدان میں پیغمبر ﷺ کے انقلابی مشن کو جان پر کھیل کر پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔انقلاب لانے والوں کے لیے آقائے نامدار ﷺ کی سیرت وکردار اور صحابہؓ جیسی اطاعت وفرمانبرداری آج بھی لائحہ عمل ہے، جو اپنائے گا وہ انقلاب لائے گا اور جس کی زندگی میں سنت کی مہک نہ ہو وہ انقلاب، انقلاب کے نعرے لگا کر اپنا اور قوم کا وقت ضائع کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مال ومتاع کا بھی نقصان کرے گا، جیسا کہ آج تمہارے سامنے ہورہا ہے۔

❁ ❁ ❁

جنسی جرائم - اسباب اور علاج

از: غلام رسول دیشمکھ
انجمن روڈ، بھساول

دہلی - ۱۶؍دسمبر کی شب میں ایک طالبہ کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس شرم ناک اور گھناونے واقعہ کی مذمت میں عوام کا ردعمل پورے شباب پر ہے، اس واقعہ پر الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا اپنی پوری توانائی لگائے ہوئے ہے۔ طلبار، طالبات، نوجوان مرد وخواتین میدان سے لے کر ایوانِ سیاست تک اپنے غم وغصہ کا اظہار کررہے ہیں۔ لڑکی کی موت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ مجرموں کو سخت سزا کی مانگ کی جارہی ہے کہ ان کو پھانسی دی جائے یا تیس سال کی سزا ہو یا قوتِ مردانہ سے محروم کردیئے جائیں۔

ماحول ایسا ہوگیا ہے کہ گویا تمام اہم مسائل حل ہوگئے ہیں اور اب صرف یہی ایک مسئلہ رہ گیا ہے۔ ایک طرف احتجاج ومذمت پورے شباب پر ہے تو دوسری طرف آبروریزی اور اجتماعی ریپ اور خواتین پر زیادتی کے واقعات میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے۔ ڈھائی اور تین سال کی بچیوں سے لے کر عمر رسیدہ خواتین تک اس جرائم کا شکار ہورہی ہیں۔

درحقیقت معاشرہ میں برائی، بدکاری اور جرائم کی طرف جانے والے راستے کھلے ہوئے ہیں، ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ اسی بات سے ہمارا معاشرہ بے نیاز ہے؛ بلکہ جرم سرزد ہونے کے بعد سزا اور قانون کی گرفت کے لیے سوچا جاتا ہے۔

خواتین خصوصاً نوجوان لڑکیاں آزادی اور فیشن کے نام پر بن سنور کر، سج دھج کر نیم عریاں لباس میں اپنے حسن کی نمائش کرتی ہیں اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ آزاد ہیں اور ان کی اپنی مرضی کے مطابق وضع قطع اختیار کرسکتی ہیں۔ اس پر پابندی لگانے یا اعتراض کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ دراصل یہ ان کی نادانی اور غلط فہمی ہے۔ مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ خواتین یا لڑکیاں زیادہ سے زیادہ برہنہ ہوں؛ تاکہ ان کے حسن کا نظارہ کرکے لطف اندوز ہوسکیں، ٹی وی چینل پر اخبار ورسائل میں

جو اشتہار ہوتے ہیں ان میں عورتوں کو پرکشش بناکر برائے نام کپڑوں میں دکھایا جاتا ہے۔ ہر طرح کے اشتہار کے لیے عورتوں کے حسن کا استعمال کیا جاتا ہے؛ یہاں تک کہ بلیڈ کے اشتہار میں بھی عورت کے حسن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، سنیماؤں اور ٹی وی چینلوں کے پروگراموں میں عورت کے حسن کو زیادہ سے زیادہ نکھار کر نیم عریاں لباس میں پرکشش بناکر پیش کیا جاتا ہے، ان بے ہودہ اور شرم ناک مناظر جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتے ہیں، ان مناظر پر کوئی روک تھام نہیں ہے؛ البتہ نتیجے کے طور پر کوئی حرکت یا فعل سرزد ہوجائے تو قانون میں سزا رکھی گئی ہے۔

مخلوط سوسائٹی میں مرد اور عورت کے آزادانہ میل ملاپ پر کوئی پابندی نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ ہوس کا شکار ہوجائے تو پھر قانون کی گرفت! دفتر میں کام کرنے والی خواتین اپنے مکمل میک اپ کے ساتھ شمعِ محفل بنی رہتی ہیں؛ لیکن اگر کوئی حرکت سرزد ہوجائے تو قانون حرکت میں آسکتا ہے۔

مخلوط تعلیم کے مطابق اسکول اور کالج میں بالغ لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ پڑھتی ہیں، کھیل کود میں حصہ لیتی ہیں، پارکوں سنیماؤں میں ساتھ رہتی ہیں؛ لیکن اس درمیان دونوں سے کوئی فعل سرزد ہوجائے تو سماج اور قانون کی نظر میں مجرم ہے۔ سب سے اہم اور شرم ناک بات یہ ہے کہ ملک میں شراب کھلے عام بیچی اور پی جاتی ہے، شراب اور بیئر بار بغیر کسی روک ٹوک کے حکومت کی اجازت نامہ پر اپنا کاروبار چلا رہے ہیں، شراب کو ام الخبائث کہا جاتا ہے، جو تمام جرائم اور خبائث کی جڑ ہے اور ملک میں ہونے والے اس طرح کے واقعات میں اس کا کردار نمایاں ہی نہیں؛ بلکہ بہت اہم ہے۔ یہ ہے آج کا ماحول کہ برائی کی طرف جانے والے راستے تو کھلے ہیں؛ لیکن نتائج کو بھگتنے کی بجائے سخت سزا کی مانگ کی جارہی ہے۔

اسلام برائیوں اور جرائم کی طرف جانے والے راستوں پر پہلے پابندی عائد کرتا ہے، ایک صالح اور پاکیزہ ماحول مہیا کراتا ہے، اس کے بعد سزا تجویز کرتا ہے۔ مثلاً:

- شراب اور دوسری منشیات کو حرام قرار دیتا ہے۔
- مرد اور خواتین کے آزادانہ میل ملاپ پر پابندی عائد کرتا ہے!
- خواتین کو ساتر لباس کا پابند بناتا ہے۔
- پردہ لازمی قرار دیتا ہے۔
- مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں دیتا۔

اس تعلیم کے بعد صالح ماحول اور معاشرہ میں کوئی بے حیائی اور بے ہودہ کام کرے تو عبرت ناک سزا تجویز کرتا ہے۔

زانی اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کو سو (۱۰۰) کوڑے کی سزا ہے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو اس کو سنگ سار کر دینے کی سزا ہے۔ یہ سزائیں چوراہوں پر عوام کے درمیان دی جاتی ہے؛ تاکہ اس عبرت ناک سزا کے بعد کوئی اس طرح کی حرکت کی جرأت نہ کر سکے۔

جب تک معاشرے کی تعمیر توحید یعنی اللہ کے ایک معبود ہونے کے کہ وہی تمام انسانوں کا اور پوری کائنات کا خالق، مالک، معبود اور رب ہے اور آخرت میں ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا، یہی وہ خوف وڈر ہے جو اسے برائیوں سے بچا سکتا ہے، اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہ السلام کو مبعوث کیا، آخری نبی محمد ﷺ نے اللہ کی ہدایت کی روشنی میں صالح معاشرہ قائم کیا جو اپنی مثال آپ ہے، جب تک مندرجہ بالا تعلیمات کی روشنی میں ماحول اور معاشرہ کی اصلاح وتعمیر نہیں ہوگی جرائم اور خبائث کا خاتمہ نہیں ہوگا۔ آج کل جرائم کا انبار لگا ہوا ہے، وہ ہمیشہ نئے انداز میں ہر دور میں اپنا سر ابھارتے رہتے ہیں۔ رشوت خور اور غیر ذمہ دار انتظامیہ غیر اخلاقی ماحول میں اس کی اصلاح ناممکن ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ مندرجہ بالا خطوط پر سوچا جائے، اس کے بغیر جرائم اور برائیوں کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ قوم پر رحم فرمائیں اور صحیح خطوط پر سوچنے، غور کرنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، (آمین)

❁ ❁ ❁

حضرت شیخ الاسلامؒ کی تصانیف
تجزیہ و تعارف

از: مولوی نایاب حسن قاسمی
شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

انیسویں صدی کے نصفِ آخر اور بیسویں صدی کے وسط تک ہندوستان کے سیاسی، علمی، تہذیبی وفکری منظرنامے پر جن قدآور شخصیات نے اپنے فکرونظر، جہدِ مسلسل اور اخلاق وکردار کے تابناک نقوش مرتسم کیے اور ہم عصر ہندوستان سے اپنی گوناگوں خوبیوں، امتیازات اور خصوصیات کا لوہا منوایا، ان میں ایک انتہائی باعظمت نام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا بھی ہے، جنھیں ان کے قدردانوں نے بہ جا طور پر ''شیخ الاسلام'' اور ''شیخ العرب والعجم'' جیسے وقیع القاب سے نوازا، کہ اسلامی علوم میں ان کی گہرائی وگیرائی، بہ طورِ خاص علومِ حدیث میں ان کی متخصصانہ شان اور اس حوالے سے عرب وعجم کے وسیع تر دائرے میں ان کی خدمت وشہرت، ملکی وعالمی سیاست وتاریخ کے مدوجزر سے ان کی بصیرت مندانہ واقفیت، اسرار ورموزِ دینی کے معاملے میں ان کی تہ رسی ودروں بینی، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں ان کی بے پناہ قربانیاں اور اس راہ میں ان کی ضرب المثل جاں فروشی، بے خوفی اور جرأت وبے باکی، کسرِ نفسی، خلوصِ کامل اور ایثار جیسے نبویؐ صفات میں ان کی یکتائی وانفرادیت اسی کی متقاضی تھیں۔

بلاشبہ حضرت شیخ الاسلامؒ نہ صرف اپنی اُس عظیم الشان درس گاہ کے علمی فیضانات کے حسین پرتو تھے، جو اپنے قیام سے لے کر آج تک عالمِ اسلام میں دینی علوم کی ترویج واشاعت کے حوالے سے بین الاقوامی سطح پر ممتاز شناخت رکھتی ہے؛ بلکہ وہ اس تحریکِ جہدوجہاد کے بھی جاں سپار رکن تھے، جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کی اولاد واحفاد سے شروع ہوئی اور سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، فقیہ النفس

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور بلند فکر مردم ساز، عبقری شاین کے مالک شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے راستے ان تک پہنچی تھی، وہ اپنے وقت میں عظیم الشان عالمِ دین اور محرمِ اسرارِ نبوت بھی تھے، بے باک اور سر بہ کف مجاہد بھی، تصوف وسلوک کے امام بھی اور اخلاق واقدارِ اسلامی کے عظیم ترین قدردان اور ان کا پیکرِ محسوس بھی۔

ان کی زندگی کا بیشتر حصہ یا تو ہندوستان کی آزادی کی تحریک کی سرگرمیوں میں گزرا یا دارالعلوم دیوبند کی مسندِ تدریس سے تشنگانِ علومِ نبوت کو سیراب کرنے میں یا پھر اپنے منتسبین ومعتقدین کی روحانی واخلاقی تربیت میں؛ یہی وجہ ہے کہ بے پناہ صلاحیتوں کے باوصف ان کی تصنیفی خدمات بہت کم ہیں، ان کے قلم کو خاطر خواہ جولانیوں کا موقع ہی کب میسر آیا؟ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے قلم سے جو بھی تحریریں معرضِ وجود میں آئیں، وہ نہ صرف علمی وتاریخی نکتہ طرازیوں کا اعلیٰ نمونہ ہیں؛ بلکہ وہ ادبی ولسانی خوبیوں کے حسین شہ پارے بھی ہیں۔

مولانا کے رشحاتِ قلم میں خودنوشت سوانح ''نقشِ حیات'' کے علاوہ ''اسیرِ مالٹا''، ''متحدہ قومیت اور اسلام''، ''مکتوباتِ شیخ الاسلام''، ''مودودی دستور وعقائد کی حقیقت''، ''ایمان وعمل'' اور ''سلاسلِ طیبہ'' ہیں؛ جب کہ جمعیت علمائے ہند کے مختلف اجلاس میں پیش کیے گئے صدارتی خطبات کا مجموعہ ''خطباتِ صدارت''۔

(۱) نقشِ حیات

یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۵۳ء (۱۳۷۲ھ) میں دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی، پھر اسے یکجا کردیا گیا اور اب یہ ایک ہی جلد میں دستیاب ہے، اس وقت سے لے کر اب تک اس کے بے شمار ایڈیشن ہندو پاک کے مختلف مکتبوں سے چھپ چکے ہیں، یہ کتاب اپنے آپ میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے، یہ صرف مولانا کی سوانح ہی نہیں؛ بلکہ اس وقت کی عالمی سیاست میں برپا ہونے والے ہیجانات کا علمی، منطقی وتاریخی تجزیہ بھی ہے، اس کو لکھنے کی وجہ آپ کے شاگردوں اور نیازمندوں کا غیر معمولی اصرار ہے، جو چاہتے تھے کہ خود آپ کے قلم سے آپ کے حالاتِ زندگی مرتب ہوکر آجائیں؛ تاکہ بعد والوں تک آپ کی زندگی کا صحیح ترین نقشہ پہنچ جائے اور وہ ان حالات سے بھی بہ خوبی واقف ہوجائیں، جن سے آپ، آپ کے استاذِ گرامی (حضرت شیخ الہندؒ) اور بیسویں صدی کے مسلمان گزرے اور ان کے سامنے ان قربانیوں کی سچی جھلکیاں بھی آجائیں، جو اسلامیانِ ہند

نے آزادیِ وطن کی خاطر پیش کیں اور کسی بھی قسم کی بزدلی، کم ہمتی کو آڑے نہ آنے دیا، مجاہدِ ملت مولانا حافظ الرحمٰن سیوہارویؒ اس کتاب کے ''تعارف اور وجہِ تالیف'' کے تحت لکھتے ہیں:

''۱۹۴۲ء میں جب آپ نینی تال جیل میں قید و بند کی زندگی بسر کررہے تھے، تو بعض خدام اور بے تکلف احباب نے آپ سے سوانحِ حیات قلم بند کرنے کی درخواست کی؛ تاکہ اس طرح اکابرِ امتِ مرحومہ کے اس اسوہ کا بھی اتباعِ کامل ہوجائے، جس کو امامِ اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مقدس اساطین نے اپنے اخلاف کے لیے یادگار چھوڑا ہے، اوّل اوّل آپ نے انکار کیا؛ لیکن جب عرض وگزارش نے اصرارِ پیہم کی شکل اختیار کرلی، تب مجبور ہوکر قلم اٹھایا اور اپنی زندگی سے متعلق چند صفحات لکھ دیے؛ مگر جنبشِ قلم جب اس موڑ پر پہنچی، جہاں سے وہ اپنے مقدس استاذ شیخ الطریقت حضرت مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ العزیز کا رفیق بن کر میدانِ سیاست میں گام زن ہوے تھے، تو اس کے سامنے سب سے اہم اور وقیع مسئلہ یہ پیش آیا کہ آخر شیخ الہندؒ اور ان کے رفقائے کار نے یورپین اقوام خصوصاً انگریزی اقتدار کی مخالفت میں سیاست کی پُرشور اور ہنگامہ آرا زندگی کیوں اختیار کی؟... چناں چہ حضرت مصنف کے سامنے یہ سوال سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ آیا، یہ پوری جلد، جو آپ کے سامنے ہے، اس کا بیش تر حصہ اسی سوال کا مدلل جواب ہے، دوسری جلد میں قطب العالم، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی سیاسی تحریک کے وہ گوشے، جواب تک پردۂ خفا میں تھے اور رولٹ کمیٹی کی تحقیقاتی رپورٹ بھی جن کو بے نقاب نہیں کرسکی تھی، ان کی نقاب کشائی کی گئی ہے''۔(۱)

اور خود صاحبِ سوانح رقم طراز ہیں:

''عرصۂ دراز سے احباب مجھ سے میری سوانح عمری کی مختلف باتیں دریافت فرماتے رہتے تھے، حسبِ موقع جواب دیتا رہتا تھا، بعض احباب نے مختلف اخباروں اور رسائل میں ان کو شائع بھی کردیا؛ مگر افراط وتفریط اور زیادتی وکمی سے وہ مضامین خالی نہیں رہے اور بعض چیزیں غلط بھی شائع ہوئیں، جن کے تذکرے پر اصرار کیا گیا کہ صحیح واقعات قلم بند کردیے جائیں؛ بالآخر ۱۹۴۲ء میں نظر بندی کی نوبت آئی اور جب کہ میں نینی تال جیل، الٰہ آباد میں تھا، تو اس کی پرزور تحریک ہوئی اور کہا گیا کہ اس وقت تو تجھ کو بہت سی مصروفیات سے نجات حاصل ہے، اس کو غنیمت جان کر اس مہم کو پورا کردینا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں علاوہ تاریخی واقعات کے تذکرے کے آنے والے

لوگوں کے لیے ہدایت اور مشعلیتِ راہ بھی ہے اور نعماے الٰہیہ کی تحدیث کی عمدہ صورت بھی''۔ (۲)

کتاب کے شروع میں آپ نے اپنے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں، جن میں آپ کے خاندان اور سلسلۂ نسب کا بھی مفصل اور سیر حاصل تذکرہ ہے، پھر اپنی ابتدائی تعلیم کے واقعات، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں حصولِ تعلیم کی تفصیلات اور اساتذہ کا ذکرِ خیر ہے، اس ذیل میں آپ نے ان تمام شخصیات کا ذکر کیا ہے، جنھوں نے کسی نہ کسی عنوان سے آپ کو متاثر کیا۔

مولانا نے اس کتاب میں اپنے فن کی خاص رعایت کی ہے، اپنے تعلق سے لکھتے وقت ان نکات واحوال کو خصوصی طور پر مدنظر رکھا ہے، جو قاری کی نگاہ میں غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں، سوانح نگاری اور بالخصوص خودنوشت سوانح نگاری ادب کی انتہائی نازک صنف مانی جاتی ہے، خودنوشت سوانح نگار کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ماڈل بنا کر پیش نہ کرے، کہ اس کی تحریر خودستائی وخودنمائی کا مرقع بن کر رہ جائے؛ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ساتھ بیتے ہوئے حادثات و واقعات کو بغیر کسی تحفظ کے جوں کا توں بیان کرے؛ تاکہ اس کی شخصیت کا واقعی سراپا قاری کے سامنے کھل کر سامنے آجائے، اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے، تو نہ صرف یہ کہ اس فن کی روح کے مجروح ہونے کا خطرہ ہے؛ بلکہ اس قسم کی سوانحِ حیات کسی اعتنا کے قابل نہیں سمجھی جاتی، مولانا کو اس حقیقت کا کامل ادراک تھا؛ اس لیے آپ کے قلم کی روش پوری طرح فن کی مقتضیات کو پورا کرتی ہے، آپ کہیں بھی یہ ایہام نہ ہونے دیتے کہ سوانح نگار اپنے وقت کا ایک زبردست عالم، محدث، مرشد اور مجاہد ہے؛ بلکہ آپ اپنے کو ایک عام آدمی کی طرح پیش کرتے ہیں، جس کی زندگی کا آغاز ایسے ہی ہوا، جیسے کہ دیگر لوگوں کی زندگی کی شروعات ہوتی ہے، اس کا اندازہ آپ کے بچپن کے اس واقعے سے بہ خوبی ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

''مجھ کو ہوش وحواس جب آئے، تو میں نے اپنے آپ کو ٹانڈہ میں پایا، بانگرمئو (جہاں آپ کی پیدائش ہوئی تھی) بالکل یاد نہیں، والدین مرحومین کو اولاد کی تعلیم وتربیت کا غیر معمولی اور بہت زیادہ خیال تھا اور اس کے لیے والد مرحوم بہت زیادہ سختی کرتے تھے؛ اس لیے مجھ کو کھیلنے کا موقع آزادی کے ساتھ صرف چار برس کی عمر تک ملا ہے، جب اس عمر کو پہنچا، تو گھر میں والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی، اس کے بعد سیپارہ پڑھنا پڑتا تھا، صبح ساڑھے نو بجے تک تو یہ قید اور پڑھائی گھر میں ہوتی تھی اور ساڑھے نو بجے کھانا کھا کر والد مرحوم کے ساتھ اسکول جانا پڑتا تھا، اسکول

الٰہ داد پور سے تقریباً ایک میل یا اس سے کچھ زائد دوری پر ہے، اسکول کی تعلیم میں بھی مدرسین اس زمانے میں خوب مارپیٹ کرتے تھے‘‘۔(۳)

اس اقتباس سے حضرت کے گھر کے علمی ماحول اور والدین کی اولاد کی بہترین علمی واخلاقی تربیت سے غیر معمولی دل چسپی کا احساس ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں ماحول اور وراثت دونوں اثر انداز ہوتے ہیں؛ اس لیے اپنی سوانح اس انداز سے پیش کی کہ قاری کو معلوم ہوجائے کہ سوانح نگار کس حد تک وراثت کا منّت کش ہے اور اس کی نشو ونما میں کس حد تک ماحول اور گردوپیش کی کارفرمائی ہے، یہ ذہن میں رہے کہ ماحول اور وراثت دونوں ایک حد تک ہم آہنگ بھی ہیں اور بہت حد تک ان میں ایک دوسرے سے بے گانگی بھی ہے،سوانح نگاروں کا ایک حلقہ وراثت کی زیادتی تاثیر پر زور دیتا ہے، جب کہ دوسرا حلقہ ماحول کو شخصیت کی تعمیر میں زیادہ اثر انداز مانتا ہے، اگرچہ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ وراثت اور ماحول دونوں تعمیر وتشکیلِ شخصیت کے جوہری عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں؛ لیکن ان دونوں کے ساتھ خود شخصیت کے اندر بھی ایک خاص عنصر ہوتا ہے، جو خالص مذاقی یا انفرادی نوعیت کا اور جس کے بغیر کسی بھی ذات کی تعمیر نقطۂ کمال کو نہیں پہنچ سکتی، یہی وہ مقام ہے جس سے اگر صاحبِ سوانح صحیح طور سے عہدہ برآ نہ ہوسکے، تو وہ اپنے راستے سے بھٹک جاتا ہے اور پھر اس کا قلم مختلف وادیوں میں قلابازیاں کھاتا اور اس کی تحریریں افراط وتفریط کی تنگنائیوں میں الجھ کر رہ جاتی ہیں، مولانا نے اس مقام پر بھی فنی نزاکتوں کو مکمل طور پر محسوس کیا اور کہیں بھی اس فن کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے اور اپنے مخصوص اندازِ بیان میں اس منزل کو اس خوبی سے سر کیا ہے کہ وہ پڑھنے والے کی دلچسپیوں کا باعث بن گئی ہیں۔

شروع میں یہ عرض کیا گیا کہ ’’نقشِ حیات‘‘ صرف مولانا کے احوالِ زندگی کی دستاویز ہی نہیں؛ بلکہ یہ اس دور کی سیاسیات ومعاشرت کی مشاہداتی، تجرباتی ومطالعاتی تاریخ بھی ہے؛ اس لیے جب ہم اس کتاب کے اس حصے کا مطالعہ کرتے ہیں، جس میں انھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے، تو ہمارے سامنے اس وقت کے سیاسی اتار چڑھاؤ کا مکمل نقشہ سامنے آجاتا ہے اور ان پر آپ کی گہری نظر کا بھی مکمل احساس ہوتا ہے۔

سوانح نگار اگر چاہے، تو کسی معمولی سے واقعے کو پھیلا کر اسے ایک مکمل کتابی شکل میں پیش

کرسکتا ہے؛ لیکن یہ وصف کوئی پسندیدہ نہیں کہا جاسکتا، ضرورت سے زیادہ تحریر کے پھیلاؤ سے پڑھنے والا اُکتا جاتا ہے اور پھر اس کے لیے اس کتاب کو از ابتدا تا انتہا پڑھ ڈالنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے اور اگر اسے ختم کر بھی لیا جائے، تو قاری کے پلے کچھ بھی نہیں پڑتا اور اس کا دماغ جوں کا توں خالی رہ جاتا ہے؛ لیکن ''نقشِ حیات'' میں یہ نقص کہیں بھی نہیں پایا جاتا، اس کے مطالعے سے قاری کے احساس وشعور میں یہ خیال ابھرتا ہے کہ صاحبِ سوانح نے بڑے بڑے اور اپنے پہلو میں تاریخ کی تہ بہ تہ پرتیں رکھنے والے واقعات کو بھی انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں بھی کتاب کے مرکزی خیال سے انحراف کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا، کتاب کے بعض حصوں میں ایسے تاریخی واقعات بھی آگئے ہیں، جو اپنے دامن میں دراز نفسی لیے ہوئے ہیں؛ مگر ان کو اس خوش سلیقگی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ طوالت بھی ان کے قلم کی ایک خوبی اور بیان پر ان کی مہارت کی واضح دلیل بن گئی ہے۔

''نقشِ حیات'' میں کہیں بھی کسی قسم کی پیچیدگی، اٹکاؤ اور الجھاؤ نہیں ہے، مولانا اپنی عملی زندگی میں خواہ شخصی ہو یا معاشرتی، جس طرح اجلے کیریکٹر اور شفاف وواضح کردار کے انسان تھے، ان کی زندگی کا ہر گوشہ ہر زاویے سے کھلی کتاب کی مانند تھا، جسے ہر شخص بہ آسانی محسوس کرسکتا تھا، اسی طرح ان کی تحریریں بھی اپنے مظاہر اور معنویت کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں، انھوں نے جس مسئلے پر بھی قلم اٹھایا ہے، پوری باریک بینی، ژرف نگاہی کے ساتھ اٹھایا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ان کے عمل وکردار کی طرح ان کی نگارشات میں بھی بھرپور سادگی اور وضاحت ہے، محشر اعظمی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

''نقشِ حیات میں کسی جگہ الجھاؤ نہیں ملتا، مولانا نے عملی زندگی میں جس طرح ایک واضح، صاف اور متعین راہ اختیار کی تھی، ان کی تحریروں میں بھی وہی بات ملتی ہے، شروع سے آخر تک ایک ہی رنگ اور ایک ہی شان نظر آتی ہے اور کہیں بھی کوئی ایسا موڑ نہیں ملتا، جہاں قلم نے اپنے حدود سے تجاوز کیا ہو اور ادائیگیِ مطلب کے لیے جن الفاظ کی ضرورت محسوس کی گئی ہے، وہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، مولانا جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اور جس مقصد کے لیے انھوں نے قلم کو جنبش دی، قاری اسے بہ خوبی سمجھ لیتا ہے، نہ کہیں کوئی گوشہ تشنۂ تکمیل ہے، نہ کہیں شک کی کوئی گنجایش موجود ہے''۔(۴)

''نقشِ حیات'' مولانا کی ایسی تصنیف ہے، جس میں ان کا اسلوبِ نگارش ایک خاص انداز میں جلوہ گر ہے، جو بہت ہی سنجیدہ اور جامع ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں ایک طرح کی پاکیزگی کا حساس ہوتا ہے، ذاتی تفصیلات و جزئیات عام طور پر ایسی ہوتی ہیں، جن سے بعض اوقات قاری اکتاہٹ کا شکار ہوجاتا ہے؛ اس لیے اپنی باتوں کو پیش کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، اگر بات اختصار طلب ہے، تو اس کو طول دینے سے گریز کرنا چاہیے اور اگر وہ تفصیل چاہتی ہے تو اسے پھیلا کر لکھنا چاہیے، مولانا کے زورِ قلم کا یہ اعجاز ہے کہ وہ خالص ذاتی معاملات کی جزئیات میں قاری کو زیادہ دیر نہیں الجھاتے؛ بلکہ ''نقش حیات'' میں پیش کیا گیا ان کی زندگی کا ایک ایک واقعہ کسی نہ کسی خاص پس منظر کا حوالہ ہے، مثلاً جہاں پر انھوں نے اپنی زندگی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، وہ حصہ ان کی زندگی کے ائینے میں ہندوستان بھر کی سیاسی و اجتماعی حالات کی عکاسی کرنے والا ہے، انھیں اس بات پر کمال حاصل ہے کہ وہ اپنے مطلب کو اس واضح انداز میں سمجھادیتے ہیں کہ قاری کے ذہن و دماغ میں یقین کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے اور اس کے احساس و وجدان میں تحریک کی شمع روشن ہونے لگتی ہے۔

''نقش حیات'' کا ایک اور اہم گوشہ یہ ہے کہ مولانا نے اس میں پیش کیے گئے ہر واقعے کو دلائل، شواہد اور مستند اعداد و شمار سے مبرہن کیا ہے؛ چناں چہ جہاں آپ نے انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ اور ان کے ہاتھوں ہندوستان کی تجارت و معیشت و معاشرت کی تاراجی کو بیان کیا ہے، تو اسے مدلل کرنے کے لیے خود انگریز مؤرخین کی تصانیف سے حوالے پیش کیے ہیں، اس حصے کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس قلب و دماغ پر چھاجاتا ہے کہ صاحب کتاب کو تاریخ اور اس کے مآخذ سے حیرت ناک حد تک آگاہی ہے، مولانا جہاں مذہبی اور علمی معاملات میں جابہ جا قرآنی آیات اور حدیثی استدلالات کا مضبوط سہارا پکڑتے ہیں اور ان کے ارشادات کی روشنی میں اپنے موقف اور نظریے کی قوت و وقعت پر برہان قائم کرتے ہیں، وہیں تاریخی واقعات کے تذکرے اور تجزیے کے وقت اس فن کی امہاتِ کتب کے حوالے سے اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قاری کسی بھی اعتبار سے شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو؛ بلکہ اس کا ذہن یقین کی سرور بخشیوں سے سرشار ہوجائے، بہ قول محشر اعظمی:

''نقش حیات میں زیادہ تر انگریزی تصنیفات اور تحریروں کا حوالہ دیا گیا ہے، جن لوگوں

نے ہندوستان پر ظلم کیا، اس کی دولت لوٹی اور پھر اپنے احسانات بھی جتائے اور ہر طرح اپنے عیب وجرم کو چھپانے کی کوشش کی، مولانا نے خود انہی کی تحریروں سے انھیں بے نقاب کردیا اور ان کی پوری قلعی کھول کر رکھ دی اور یہ ثابت کردیا کہ انگریز ظالم تھے، انھوں نے ہندوستان کا خون چوسنے میں اپنی خوں خواری کا پورا ثبوت دیا''۔(۵)

خلاصہ یہ ہے کہ نقش حیات اپنے وقت کے ایک عظیم عالم ومحدث، تحریک آزادی کے کفن بردوش مجاہد اور شب زندہ دار زاہد کی سیر حاصل داستانِ حیات بھی ہے، جو انتہائی سادگی کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور ساتھ ہی بیسویں صدی کے ہندوستان کے سیاسی ومعاشرتی نشیب وفراز کی سچی اور حقیقت نما تصویر بھی۔

(۲) اسیرِ مالٹا

یہ آپ کی اس وقت کی تصنیف ہے، جب آپ کا قلم جوان تھا، اس کے شروع کے صفحات میں حضرت شیخ الہندؒ کے امتیازی اوصاف وشمائل کو بہت ہی دل آویز اسلوب، انتہائی پرکشش طرز اور ایسے شیریں وسحر انگیز الفاظ میں بیان کیا ہے کہ قاری ان میں جذب ہوکر رہ جاتا ہے، مثلاً شروع کے یہ چند جملے:

''اس نے بحرِ امدادی سے فیوضات حاصل کیے؛ مگر ڈکار نہ لی، اس نے قاسمی نہریں پی ڈالیں؛ مگر ہضم کرگیا، اس نے رشیدی گھٹاؤں اور دھواں دھار بادلوں کو چوس لیا؛ مگر کبھی بے اختیار نہ ہوا، دعویٰ نہ کیا، شطحیات نہ سنائیں، استقامت سے نہ ہٹا، شریعت کو نہ چھوڑا، عشق میں گھل کر لکڑی ہوگیا؛ مگر دم نہ مارا...''۔(۶)

چند صفحات تک تو یہی سحر انگیز اسلوب ہے؛ مگر کتاب کے بقیہ حصے میں تحریر کا یہ رنگ نہیں ہے، اس کتاب میں مولانا نے حضرت شیخ الہندؒ کی تحریکِ آزادی کے نقطۂ آغاز سے لے کر مکہ معظّمہ کے سفر، وہاں تک پہنچنے اور پہنچنے کے بعد کی روداد، شریفِ مکہ کی آپ کے تئیں بدگمانی، پر مکے میں محبوسی، وہاں سے مصر (جیزہ) کو روانگی اور مصر کی ایک ماہ کی اِسارت کے بعد ۱۵؍فروری ۱۹۱۷ء (۲۳؍ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ) کو مالٹا کی روانگی، سفر کے احوال، مالٹا کی مدتِ محبوسیت میں شب وروز کی سرگرمیوں، حضرت شیخ الہندؒ کے سلسلۂ تدریس وترجمہ قرآنِ پاک کے معمولات، حضرت کے دیگر رفقا مولانا حکیم نصرت حسینؒ، مولانا عزیر گلؒ، مولانا وحید احمدؒ اور حضرت مدنیؒ کے شبانہ روز

کے اشتغالات، مولانا حکیم نصرت حسینؒ کے سانحۂ ارتحال کی روداد، پھر تین سال کی اسارت کے بعد رہائی اور وہاں سے دیوبند تک آمد کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، تتمہ کے تحت کرنل اشرف بیگ، جو حکومت ترکی کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے اور ان کی اپنی ایک علیحدہ فوج تھی، جو خلافت عثمانیہ کے لیے کام کرتی تھی، صنعاے یمن کے امام یحییٰ نے گورنر انور پاشا کو خط لکھا تھا کہ تم اشرف بیگ کو اپنی فوج کے ساتھ بھیج دو، میں اپنی اور ان کی فوج کے ساتھ مل کر شریف حسین (جس نے خلافت عثمانیہ سے بغاوت کی اور پورے حجاز میں ترکی حکومت کے خلاف احتجاج کا طوفان برپا کرکے وہاں سے اس کا خاتمہ کروادیا) پر چڑھائی کروں؛ تاکہ اس سے اس کی اسلام دشمنی وانگریز وفاداری کا بدلہ لیا جائے؛ چناں چہ انور پاشا نے کرنل اشرف کو بھیج دیا؛ لیکن مدینے میں ہی انھیں اور ان کی فوج کو شریف حسین کے گرگوں نے دھرلیا، دونوں کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوئی؛ بالآخر کرنل اشرف کی فوج پسپا ہوگئی اور انھیں گرفتار کرکے اسی جماعت کے ساتھ، جس میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے رفقا تھے، مالٹا بھیج دیا گیا، مولانا مدنیؒ نے ان کا، ان کے خاندان کا اور مالٹا کے قیام کے دوران ان کے شریفانہ اخلاق ومعاملات اور حضرت شیخ الہندؒ کے تئیں ان کے غیر معمولی جذبۂ احترام وتکریم کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے، کتاب کے اخیر میں تقریباً سات صفحات میں حضرت شیخ الاسلامؒ کا بھی اجمالی تذکرہ شامل ہے، تذکرہ نویس محمد مبین خطیب ہیں۔

(۳) مکتوباتِ شیخ الاسلام

یہ چار جلدوں پر مشتمل آپ کے خطوط کا مجموعہ ہے، جسے آپ کے معتقد ومعتمد خصوصی مولانا نجم الدین اصلاحی نے مرتب کیا ہے، یہ مکتوبات متنوع معلومات کا گنج شائگاں ہیں اور ان سے آپ کی بلند وبالا شخصیت بھی نکھر کر سامنے آتی ہے، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی ذات اسلامی فضائل اور دینی اوصاف وکمالات کی جامعیت کے لحاظ سے اپنے دور میں ایک بے مثال شخصیت کی حیثیت رکھتی تھی، آپ اسلامی وعربی علوم وفنون، سلوک ومعرفت اور تصوف وسلوک کے ایک ناپیدا کنار سمندر تھے، قدرت نے آپ کے اندر علم وعمل کی جملہ خوبیاں جمع کردی تھیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے مکتوبات میں ان کی جھلکیاں بھرپور انداز میں پائی جاتی ہیں، یہ خطوط وہ ہیں جو آپ نے مختلف اوقات میں اپنے مریدین، معتقدین، دوستوں، عزیزوں، رشتے داروں اور شاگردوں کو لکھے ہیں، ان خطوط کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ایک حصہ تو ان خطوط کا ہے، جن میں علمی، دینی یا معاشرتی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں، آپ کے دوست، اعزہ اور نیاز مند اکثر کسی نہ کسی مسئلے میں آپ کی رہ نمائی کے خواہاں ہوتے اور آپ کو خط لکھا کرتے تھے، آپ ان کے خطوط کو اولاً انتہائی توجہ سے پڑھتے اور پھر حسبِ حال انھیں ان کے سوالات کے جوابات لکھ کر بھیج دیا کرتے تھے، آپ کے زیادہ تر خطوط ایسے ہی ہیں اور یہ بات بلا کسی شبہے کے کہی جاسکتی ہے کہ وہ آپ کی علمیت اور وسعت نظری کا اعلیٰ نمونہ ہیں، ان خطوط کو دیکھ کر کوئی بھی انسان آپ کی معلومات کی کثرت اور علم وفضل کی بے کرانی کا معترف ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ان میں تفسیر وحدیث، فقہ وفتاویٰ، علم کلام وعقائد، سلوک ومعرفت، تاریخ وسیر اور اقتصادیات واخلاقیات کے ٹھوس حقائق پر سیر حاصل اور بصیرت افروز گفتگو کی گی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ اکثر وبیشتر خطوط دورانِ سفر یا ایامِ اسیری میں انتہائی عجلت میں اور قلم برداشتہ لکھے گئے ہیں؛ مگر اس کے باوصف وہ مستقل مضمون اور علمی وتحقیقی شہ پارے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جب ہم مولانا مدنی کے مکتوبات کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ذہانت بھی آزادؒ کے ہم قدم ہے، کسی بھی مسئلے پر لکھتے وقت آپ نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جائزہ لیا ہے، مشائخ اور اولیاے کرام کے ملفوظات کو انہی کے الفاظ میں بیان کیا ہے، جہاں کہیں کتابوں کے حوالے آئے ہیں، وہاں ان کی عبارتیں انہی کے الفاظ میں نقل کی ہیں اور بعض اوقات ان کے صفحے تک نوٹ کرتے چلے گئے ہیں، اسی طرح اشعار کے استعمال میں بھی مولانا مدنیؒ نہ صرف مولانا آزادؒ کے شریک ہیں؛ بلکہ یک گونہ ان پر فوقیت بھی رکھتے ہیں، مولانا مدنیؒ کے خطوط میں فارسی کے ساتھ اردو کے بہترین اشعار اور غزل کے اشعار بھی بہ کثرت پائے جاتے ہیں اور صرف اسی قدر نہیں؛ بلکہ ہندی کے بھی نرم ونازک اور رسیلے اشعار خاصی تعداد میں ان کے خطوط میں موجود ہیں۔

مجموعۂ مکتوبات کے کچھ خطوط ایسے بھی ہیں، جو بالکل ذاتی اور نجی نوعیت کے ہیں، ان میں جہاں اس وقت کے سیاسی مسائل پر گفتگو کی گئی ہے اور مولانا نے اپنے سیاسی نظریات کی وضاحت کی ہے، ہوسکتا ہے ہر پڑھنے والا اس سے متفق نہ ہو، کہ یہ ممکن بھی نہیں؛ مگر پھر بھی ان کی اس اہمیت سے مجالِ انکار نہیں ہوسکتی کہ وہ اپنے زمانے کے ''شیخ الاسلام'' کے افکارِ سیاسی کے بلا واسطہ ترجمان ہیں اور تاریخی دستاویز بھی۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ خطوط کسی بھی شخصیت کا آئینہ ہوتے ہیں، جس میں اس کا اصلی چہرہ نظر آتا ہے، کوئی بھی آدمی کسی کی خوبیوں اور خرابیوں سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتا ہو، تو وہ اس کے خطوط کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی بھی فیصلہ کن پوزیشن تک پہنچ سکتا ہے؛ کیوں کہ یہ وہ تحریر ہے، جو بغیر کسی بناوٹ اور سجاوٹ کے لکھی جاتی ہے؛ کیوں کہ خطوط نہ تو اظہارِ علم کا ذریعہ ہوتے ہیں اور نا ہی اپنی ذات کو بلند آہنگ طریقے سے پیش کرنے کا وسیلہ؛ بلکہ یہ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملات کے تئیں خطوط نگار کی بے ساختہ رائے کا اظہار ہوتے ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ خطوط کے آئینے میں کوئی بھی شخصیت اپنے اصلی خط وخال سمیت منعکس ہوجاتی ہے، اس لحاظ سے بھی اگر ''مکتوباتِ شیخ الاسلام'' کا مطالعہ کیا جائے، تو پڑھنے والا مکتوب نگار کی مقناطیسی شخصیت کو محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور وہ بے ساختہ طور پر خود کو ان سے قریب ہوتا ہوا، ان کی جانب کھنچتا ہوا اور ان سے متاثر ہوتا ہوا پائے گا۔

جہاں تک ان خطوط کی زبان کا تعلق ہے، تو وہ عموماً انتہائی سادہ، رواں، سلیس، شگفتہ اور ہر نوع کی پیچیدگی سے مبرّا ہے؛ البتہ جہاں آپ نے کسی خاص علمی و باطنی مسئلے کی وضاحت کی ہے، وہاں قدرے خشکی پائی جاتی ہے، جس کے بغیر کوئی چارۂ کار بھی نہیں؛ کیوں کہ وہ مکتوب جس میں خالص علمی، اخلاقی اور باطنی مباحث ہوں، انھیں مکمل طور پر ادبی آہنگ میں نہیں ڈھالا جاسکتا، کہ اس سے مکتوب نگار کے مقصودِ اصلی کے فوت ہوجانے کا دھڑکا پیدا ہوجائے گا اور اصل بات، جو وہ مکتوب الیہ تک پہنچانا چاہتا ہے، الفاظ کی رنگینیوں میں کھو جائے گی، محشرؔ اعظمی نے غالبؔ کے خطوط اور مولانا آزادؔ کے غبارِ خاطر سے مکتوباتِ شیخ الاسلام کا موازنہ کرتے ہوئے عمدہ تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''مکتوبات کا کون سا اسلوب پسندیدہ ہے اور کون نہیں، یہ تو اپنے اپنے ذوق کی باتیں ہیں، کسی نے غالبؔ کے خطوط کو ان کی سادگی، بے تکلفی اور ظرافت کی وجہ سے پسند کیا، کسی نے مولانا آزادؔ کی غبارِ خاطر اس وجہ سے پڑھی کہ اس میں ایک خاص قسم کی چاشنی ہے، الفاظ کی سجاوٹ ہے، جملوں کی خوب صورت ترکیب ہے اور خیالات کی رنگینی کے ساتھ معمولات کا دریا موج زن ہے اور مکتوباتِ شیخ الاسلام کو اس وجہ سے پسند کیا جاسکتا ہے کہ اس میں خالص علمی و روحانی باتیں ہیں، ایسے خطوط جن میں صرف زبان و بیان کی خوبی ہو اور ان میں کوئی بنیادی خوبی نہ ہو، ان کے

مطالعے سے قاری کو ایک لذت تو مل سکتی ہے؛ لیکن اس کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا، ہمارے اس نقطۂ نظر پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ معلومات حاصل کرنے کے بہت سے ذرائع ہیں، پھر خطوط ومکاتیب میں اس کا کیا سوال؟ تو یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے اور ہم اس سے انکار نہیں کرسکتے؛ لیکن اس کے باوجود ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم دوسروں کے مکتوب کیوں پڑھتے ہیں؟ اور کسی کے مکتوب پڑھتے وقت ہمارے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا ہے؟ وقت اور دماغ صرف کرنے کے بعد ہمیں کیا ملتا ہے؟ دوسروں کے مکتوب ہم اس لیے پڑھتے ہیں کہ ان سے ہمیں کسی قسم کا فائدہ حاصل ہو، جو تحریر ہمارا وقت اور دماغ لے کر بھی ہمیں کچھ نہ دے سکے، تو اسے پڑھنے کا کیا حاصل؟ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خطوط ومکاتیب الفاظ وتراکیب کا حسین مجموعہ تو ہوں، ساتھ ہی ان میں افادیت بھی ہونا چاہیے، مکتوباتِ شیخ الاسلام میں بیش تر مکتوبات ایسے ہیں، جو تعلیم وہدایت کے آئینہ دار ہیں اور کسی نہ کسی کے استبصار پر لکھے گئے ہیں، وہ خطوط، جن میں علمی، اخلاقی، فقہی اور باطنی مباحث ہوں، انھیں اس سے زیادہ رنگ نہیں دیا جاسکتا''۔(۷)

ان مکتوبات سے منتخب کرکے دو دگر مجموعے بھی مرتب کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک ''معارف وحقائق'' ہے، جسے حضرت مدنیؒ کے داماد اور مدرسہ شاہی مرادآباد کے سابق مہتمم مولانا رشیدالدین حمیدیؒ نے مرتب کیا ہے، اس میں تصوف وسلوک، فقہ، علمی حقائق، عملیات، اذکار وادعیہ، تعبیر الرؤیا، تاریخ، سیاسیات اور دیگر متفرق موضوعات سے متعلق منتخب تحریروں کو یک جا کیا گیا ہے اور دوسرا ''فتاویٰ شیخ الاسلام'' ہے اور اس میں خالص فقہی تحریروں کو جمع کیا گیا ہے، اس کے جامع ومرتب حضرت مدنیؒ کے نواسے اور ممتاز عالم دین وصاحبِ قلم مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ العالی ہیں۔

(۴) متحدہ قومیت اور اسلام

۸؍جنوری ۱۹۳۸ء کی شب میں صدر بازار دہلی کے ایک جلسے میں مولانا مدنیؒ نے تقریر فرمائی، جس کا بڑا حصہ ۹؍جنوری کے روز نامہ ''تیج'' اور ''انصاری'' دہلی میں شائع ہوا، اس جلسے میں روز نامہ ''الامان'' (اس کے مدیر مولانا مظہرالدین شیرکوٹی فاضل دیوبند تھے، جو پکے مسلم لیگی تھے) کا رپورٹر بھی موجود تھا، اس نے اپنے حساب سے اس تقریر کی رپورٹنگ کی اور اس کے بعد اسے ''الامان'' میں شائع کردیا گیا، پھر اس سے ''زمیندار'' اور ''انقلاب'' لاہور نے بھی نقل کیا

اور یہ جملہ مولانا سے منسوب کر دیا کہ انھوں نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ چوں کہ اس زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں؛ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں۔

اُدھر علامہ اقبال، جو اپنے وقت کے بے مثال اسلامی شاعر اور مفکر تھے اور وہ بھی ایک عرصے تک قومی نظریے کی حمایت میں لکھتے، بولتے اور اس کی ہم نوائی کرتے رہے تھے، ان کی مشہور نظم ''ہمالیہ'' اور ''ترانۂ ہندی'' اسی دور کی یادگار ہیں؛ مگر جب انھوں نے یورپ کا دورہ کیا اور وہاں کی تہذیب، طریقۂ زندگی، سیاسی نظریات وافکار کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہاں سے واپس ہوئے، تو ان کا سیاسی نقطۂ خیال بدل چکا تھا، انھوں نے واپسی کے بعد قومی راہ نماؤں کو خطوط لکھے، اخبارات میں اپنے مضامین شائع کروائے اور مسلمانوں کو دوقومی نظریے پر ابھارنا شروع کر دیا اور چوں کہ اس وقت مسلم لیگ کا اساسی نظریہ یہی تھا؛ اس لیے علامہ اقبالؒ اسی کی حمایت وموافقت میں جٹ گئے، انھوں نے سب سے پہلے ۱۹۳۰ء کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے شمال مغربی ہندوستان کی علیحدگی کی تجویز پیش کی اور اسے وطن کی معاشرتی مشکلات اور ہندو مسلم منافرتوں کا حل بتلایا، اس کے بعد ان کے افکار کی ساری توانائی اور تخیلات کی تمام تر بلند پروازیاں اسی خیال کو تقویت پہنچانے اور قوم پرست علما اور لیڈران پر پھبتیاں کسنے میں صرف ہوئیں۔

''الامان'' کے واسطے سے نقل شدہ خبر جب علامہ موصوف کو پہنچی، جو ان کے نظریے کے سخت خلاف تھی، تو انھوں نے مولانا حسین احمد مدنیؒ پر سخت تنقید کی:

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
زدیوبند حسین احمد ای چہ بوالعجبی ست؟
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن ست
چہ بے خبر زمقامِ محمدِ عربیؐ ست
بہ مصطفیٰؐ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

علامہ اقبال کے یہ اشعار روزنامہ ''احسان'' میں شائع ہوئے، اس کے بعد پورے ملک

میں ہنگامہ، بے چینی اور خلش کا ماحول پیدا ہوگیا، جہاں علامہ اقبالؒ کے حامیین مولانا مدنیؒ کے خلاف زبان درازی وقلم درازی پر اتر آئے، وہیں خود حضرت کے متوسلین کی طرف سے بھی جوابِ آں غزل کے طور پر تحریروں اور بیانات کا اک سلسلۂ دراز شروع ہوگیا، جو کسی آن تھمنے کا نام نہ لیتا تھا، مولانا کی طرف سے وضاحتی بیان بھی شائع ہوا، جس میں آپ نے اپنی جانب منسوب کیے گئے جملے کی تردید کی تھی، اسی کے بعد اعظم گڑھ کے مشہور شاعر اقبال سہیلؒ نے بھی علامہ اقبالؒ کے خلاف انہی کی بحر میں ایک لمبی اور تیز وتند نظم کہی تھی:

کسے کہ خردہ گرفت بر حسین احمد
زبانِ او عجمی وکلام در عربی ست
کہ گفت برسرِ منبر کہ ملت از وطن است
دروغ گوئی وایراد، ایں چہ بوالعجبی ست
درست گفت محدث کہ قوم از وطن ست
کہ مستفاد زفرمودۂ خدا ونبی ست
زبانِ طعن کشودی وایں نہ دانستی
کہ فرقِ ملت وقوم از لطائفِ ادبی ست
تفاوتے ست فراواں میانِ ملت وقوم
یکے زکیش ودگر کشوری ست یا نسبی ست
خدائے گفت بہ قرآں ''لکل قوم ہاد''
مگر بہ نکتہ کجا پے بَرد کسے کہ غبی ست
بہ قومِ خویش خطابِ پیمبراں بہ نگر
پُر از حکایتِ ''یاقوم'' مصحفِ عربی ست
رموزِ حکمتِ ایماں زفلسفی جستن
تلاشِ لذتِ عرفاں زبادۂ عنبی ست
بہ دیوبند درآ گر نجات می طلبی
کہ دیوِ نفس سلحشورو دانشِ تو صبی ست

بہ گیر راہِ حسین احمد گر خدا خواہی
کہ نائب ست نبیؐ را و ہم زآلِ نبی ست

خوش قسمتی سے ایک دردمند اور باشعور وذی فہم مسلمان (جو عالمِ دین بھی تھے اور ادیب وصحافی بھی) جنھوں نے مصلحتاً اپنا نام طالوت (اصل نام عبدالرشید نسیم) رکھ لیا تھا، حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے حضرت مدنی کی خدمت میں ایک خط لکھا، جس کا حضرت مدنی نے جواب دیا اور اپنی تقریر کا مدعا بہ وضاحت بیان کیا، پھر انھوں نے ان کے خط کا اقتباس علامہ اقبالؒ کی خدمت میں ارسال کیا، جس کو دیکھنے کے بعد علامہ موصوف نے اپنا تبصرہ واپس لے لیا اور فرمایا کہ: ''میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا... مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں''۔(۸)

علامہ اقبال کا یہ اعتراف نامہ ''احسان'' کے علاوہ ۵/مارچ ۱۹۳۸ء کو روزنامہ ''مدینہ'' بجنور میں بھی شائع ہوا تھا، خیر! علامہ اقبال نے تو اپنی بات واپس لے لی؛ مگر ان کا وہ قطعہ ''ارمغانِ حجاز'' کے ترتیب کاروں نے نہ معلوم کن مصلحتوں کے تحت چھاپ دیا اور اب تک یہ سلسلۂ زبوں جاری ہے؛ حالاں کہ علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرین اقبالیات کی یہ رائے تھی کہ اگر وہ ان کی زندگی میں چھپتی، تو یہ اشعار اس میں شامل نہ کیے جاتے، خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں:

''ارمغانِ حجاز'' اگر حضرت علامہؒ کی زندگی میں چھپتی، تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی''۔(۹)

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے بھی ''سرگزشت اقبال'' میں تحریر کیا ہے:

''اگر وہ ''ارمغانِ حجاز'' کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے، تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے، جن میں مولانا حسین احمد مدنیؒ پر چوٹ کی گئی تھی''۔(۱۰)

ماہرِ اقبالیات وشارحِ کلیاتِ اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں:

''حقیقتِ حال سے واقف ہونے کے بعد علامہ نے اپنا اعتراض واپس لے لیا تھا اور وہ اشعار محض اس وجہ سے ''ارمغانِ حجاز'' میں راہ پاگئے کہ اس اعتراف کے محض تین ہفتوں کے بعد علامہ وفات پاگئے اور انھیں یہ ہدایت دینے کا موقع نہ مل سکا کہ ان اشعار کو ''ارمغانِ حجاز'' میں شامل نہ کیا جائے، اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ ''ارمغانِ حجاز'' میں اس نظم کے ساتھ یہ

صراحت کردی جائے کہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہوجانے کے بعد علامہ مرحوم نے ان اشعار کو کالعدم قرار دے دیا تھا، تو بہت اچھا ہو؛ کیوں کہ اس تصریح کی بہ دولت قارئین حضرتِ اقدسؒ کے خلاف سوءِ ظن سے محفوظ ہوجائیں گے''۔(۱۱)

مولانا حکیم فضل الرحمٰن سواتیؒ نے بھی حافظ شیرازؒ اور مسٹر محمد علی جناح کے تعلق سے علامہ موصوفؒ کے ایرادات سے رجوع کی تفصیلات تحریر کرتے ہوئے یہی بات لکھی ہے۔(۱۲)

برسرِ مطلب:

حضرت مدنی کا رسالہ ''متحدہ قومیت اور اسلام'' اسی پس منظر میں تحریر کیا گیا ہے، حضرت نے اس بحث کے خاتمے کے بعد ارادہ کیا کہ اپنے نظریے کو واضح اور مدلل طور پر علامہ موصوف کے سامنے پیش کردیں؛ تاکہ ان کے دل سے شبہات واشکالات کا کانٹا بھی نکل جائے اور انھیں اپنے ان تسامحات کا بھی ادراک ہوجائے، جو ان سے قوم اور ملت کی تشریح کے دوران سرزد ہوئے، کہ ناگاہ علامہ کے سانحۂ ارتحال کا حادثۂ جاں کاہ رونما ہوگیا اور آپ کے عزم وارادے پر اوس پڑ گیا، آپ نے رسالے کے آغاز میں لکھا ہے:

''بالآخر جب کہ میں قومیت کی لفظی بحث کے اختتام پر پہنچ کر مقصد اصلی سے نقاب اٹھانا چاہتا تھا، ناگاہ جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کے وصال کی خبر شائع ہوگئی، اس ناساز اور دل گداز خبر نے خرمنِ خیالات وعزائم افکار پر صاعقہ کا کام کیا، طبیعت بالکل بجھ گئی اور عزائم فسخ ہوگئے، تحریر شدہ اوراق کو طاقِ نسیاں کے سپرد کردینا ہی انسب معلوم ہوا''۔(۱۳)

مگر جن لوگوں نے اس بحث کو دیکھا اور سنا تھا، انھیں اس سے غیر معمولی دلچسپی تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ حضرت مدنیؒ کی مفصل تحریر سامنے آئے؛ تاکہ صورتِ مسئلہ بے غبار ہوکر اطمینانِ قلب کا باعث ہو؛ اس وجہ سے آپ نے اس تعلق سے اپنی لکھی ہوئی تحریروں کو یک جا کرکے چھاپنے کی اجازت دے دی۔

یہ کتاب متعلقہ مسئلے پر انتہائی مدلل اور محقق ہے، آپ نے پہلے تو قوم، ملت اور امت پر امہاتِ کتب لغت کی روشنی میں پُرمغز گفتگو کی ہے اور ان کے ادبی لطائف کو آشکار کیا ہے، اس کے بعد نبی پاکؐ کے طرزِ عمل سے متحدہ قومیت کے تصور کو ثابت کیا ہے، اس سلسلے میں آپ نے اس معاہدے کو بنیادِ تحریر بنایا ہے، جو آپؐ نے مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے قبائل یہود سے کیے

تھے، آپ نے اس کی چند دفعات کا ذکر کیا ہے، جن میں صراحت ہے کہ ہر مذہب کا ماننے والا مذہبی امور میں تو اپنے اپنے مذہب کا ہی پابند ہوگا؛ مگر ملکی، سیاسی اور جنگی امور میں سب ایک اور متحد ہوں گے اور ایک دوسرے کے حلیف، اس سلسلے میں آپ نے جمعیۃ علماے ہند کے اجلاس منعقدہ پشاور دسمبر ۱۹۲۷ء میں پیش کردہ حضرت علامہ شاہ کشمیریؒ کے خطبہ صدارت سے بھی استدلال کیا ہے، جس میں انھوں نے بھی میثاقِ مدینہ کو متحدہ قومیت کی اساس قرار دیا تھا، اسی طرح گول میز کانفرنس نومبر ۱۹۳۰ء میں کی گئی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ کی اس معرکہ آرا تقریر کا بھی حوالہ دیا ہے، جس میں انھوں نے کہا تھا کہ مذہب کے معاملے میں میں اوّل، دوم اور آخر مسلمان ہوں اور سوائے مسلمان کے کچھ بھی نہیں اور جن امور کا تعلق ہندوستان سے، اس کی آزادی سے اور اس کی فلاح و بہبود سے ہے، تو ان میں میں اوّل ہندوستانی ہوں، دوم ہندوستانی ہوں اور آخر ہندوستانی ہوں اور ہندوستانی کے سوا کچھ نہیں، اسی طرح سرسید مرحوم کی مختلف تحریریں بھی استشہاداً پیش کی ہیں، آپ نے انگریز مفکرین کی تحریروں کی روشنی میں یہ واضح کیا ہے کہ متحدہ قومیت کے نظریے سے اختلاف اور دوقومی نظریے کی بانگ بلند کرنا، یہ انگریزی تدبیر اور چال بازی کا نتیجہ تھا۔

یہ رسالہ گو ایک خاص پس منظر میں لکھا گیا تھا؛ مگر آج دوقومی نظریوں اور اسلامیت کی بنیاد پر حاصل کیا گیا خطۂ زمین تمام تر غیر اسلامی اعمال کی آماج گاہ بن چکا ہے اور وہاں بسنے والی اسلامی نسل کا لمحہ لمحہ ہلاکتوں، بربادیوں اور بیش از بیش خطرات کے مایا جال میں گھرا ہوا ہے۔

(۵) مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت

یہ کتاب دراصل ایک مکتوب ہے، جو آپ نے دارالعلوم دیوبند کے ایک ایسے فاضل کو لکھا تھا، جو جماعت اسلامی سے وابستہ ہوگئے تھے اور ان کا گمان یہ تھا کہ جمہورِ امت اور جماعت اسلامی کا اختلاف محض فروعی ہے، اصولی نہیں ہے، اس مکتوب کو مکتبۂ دارالعلوم نے خوبصورت کتابت کے ساتھ شائع کیا ہے، اس کے شروع میں حکیمُ الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا بصیرت افروز اور فصیح و بلیغ مقدمہ ہے، جس میں آپ نے مشہور حدیث شریف ”لَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً الخ“ کی روشنی میں صحابہؓ کے معیارِ حق ہونے پر انتہائی وقیع گفتگو کی ہے، آپ نے قرآن وحدیث کے استشہادات کی روشنی میں صحابۂ کرامؓ کی عدالت،

معیاریت اور بالاتر از تنقید ہونے کو ثابت کیا ہے، اس کے بعد ۴۴ صفحے میں حضرت مدنیؒ کی تحریر ہے، جس میں آپ نے انتہائی سلجھے ہوئے اور سنجیدہ اسلوب میں جماعتِ اسلامی کے دستور کی دفعہ نمبر ۶: ''رسولِ خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے، کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے، کسی کی ذہنی غلامی میں نہ مبتلا ہو، ہر ایک کو خدا کے بنائے ہوئے اس معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجے میں ہو، اس کو اسی درجے میں رکھے'' کا علمی، منطقی و تحقیقی تجزیہ کرتے ہوئے اس کو ماننے کی صورت میں اس پر مرتب ہونے والے خطرناک عواقب ونتائج پر سیر حاصل بحث کی ہے، آپ نے اعاظمِ رجالِ حدیث اور امام ابوزرعہ رازیؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ ابن ہمامؒ اور ملا علی قاریؒ کے حوالے سے صحابۂ کرامؓ کے تئیں اہلِ السنہ والجماعہ کے متفق علیہ ومعتبر عقیدے کو واضح کیا ہے اور اس ذیل میں آپ نے مولانا مودودی صاحبؒ کی ان فکری لغزیدہ پائیوں کی طرف بھی اشارے کیے ہیں، جو ان سے ان کی مشہور کتاب ''تفہیمات'' میں سرزد ہوئی ہیں، اس کے بعد قرآنِ کریم کی ایسی نو آیتوں کو بہ طورِ استشہاد پیش کیا ہے، جن میں صراحتاً تمام صحابۂ کرامؓ کی تعدیل، توثیق اور ان کے فضائلِ عالیہ کا ذکر ہے، پھر بارہ ایسی صریح حدیثیں بیان کی ہیں، جن میں آپؐ نے انفراداً یا اجتماعاً صحابۂ کرامؓ کی ستایش کی ہے، اپنے بعد انھیں واجب الاتباع بتلایا ہے اور ان نقوشِ پا کو مشعلِ راہ بنانے کی تلقین کی ہے... بلاشبہ یہ کتاب صحابہؓ کے حوالے سے مبنی برحق عقیدہ رکھنے والوں کے اطمینانِ قلب کا ذریعہ اور انصاف پسند نفوس کی آنکھیں کھول دینے کا وسیلہ ہے۔

(۶) ایمان وعمل مع اعتراضات وجوابات

یہ اصل میں بیس صفحات کا ایک رسالہ تھا، جس میں حضرت مدنیؒ نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریروں کی روشنی میں یہ ثابت کیا تھا کہ وہ فرض عبادات کے تارک اور گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو قطعاً مسلمان نہیں سمجھتے اور اسے خارج از ایمان گردانتے ہیں، پھر آپ نے جمہورِ امت اور ائمہ سلف کے اقوال وتحریرات کی روشنی میں مولانا مودودیؒ کی تحریروں کا جائزہ لے کر ان کی متشددانہ قلم رانیوں سے مسلمانوں کو باخبر کیا تھا، کسی صاحب نے وہ تحریر مولانا مودودیؒ تک پہنچادی اور انھوں نے اپنے رسالہ ''ترجمان القرآن'' کے مارچ ۱۹۵۳ء کے شمارے میں مولانا مدنی پر یہ الزامات لگائے کہ انھوں نے میری تحریروں کے سیاق وسباق پر غور وتأمل اور انصاف پسندانہ نظر ڈالے بغیر

میرے بارے میں وہ رائے ظاہر کی ہے، جو انھیں نہیں کرنی چاہیے تھی، وہ تحریر آپ کی نظر سے گزری، تو آپ نے پھر مولانا مودودیؒ کی تحریروں کا محاسبہ کرتے ہوئے خالص علمی وتحقیقی پیرایے میں اس عقیدے کو مبرہن ومدلل فرمایا کہ مرتکبِ کبیرہ اور تارکِ فرائض شرعیہ ایمان سے خارج نہیں ہے اور یہی تمام اہل السنہ والجماعہ کا عقیدہ ہے، جب کہ مولانا مودودیؒ کی تحریریں مرتکبِ کبیرہ اور تارکِ فرائض کو ایمان سے خارج کرتی ہیں، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ وغیرہ کا عقیدہ ہے... یہ رسالہ اس کے باوجود کہ ایک عظیم الشان اختلافی موضوع پر لکھا گیا ہے (اور اسی وجہ سے اس میں جابہ جا قرآن وحدیث اور کبارِ مفسرین ومحدثین کے اقوال سے استدلال کیا گیا ہے) مولانا کا اسلوب انتہائی سنجیدہ، ناصحانہ اور بے پناہ کشش رکھنے والا ہے۔

(۷) مکتوبِ ہدایت

یہ بھی مکتبۂ دارالعلوم سے شائع شدہ ہے، یہ تحریک جماعت اسلامی کے کسی بڑے عالم کو لکھا گیا ایک جوابی خط ہے، اس میں آپ نے مولانا مودودیؒ کی تمام تر تحریروں کی روشنی میں ان کے فکری انحرافات، جمہورِ امت سے ان کے سوءِ ظن، کج روفرقِ اسلامیہ سے ان کے خیالات کے قرب، اسلام کے معتمد علیہ لٹریچر کے ایک بڑے حصے سے ان کی بدگمانی اور قرنِ اول سے لے کر بعد تک کے بہت سے محسنین امت پر ان کی چھینٹا کشی کی نشان دہی کی ہے، اس میں دو دگر فتاویٰ بھی شامل ہیں، جن میں یہی باتیں مزید تفصیل کے ساتھ لکھی گئی ہیں، ایک مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ کا فتویٰ بہ عنوان ''آئینۂ تحریک مودودیت'' اور دوسرا مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ (مفتی مظاہر علوم، سہارن پور) بہ عنوان ''کشف حقیقت'' ہے، ان دونوں میں مولانا مودودیؒ کی تحریروں کے اقتباسات کی روشنی میں ان کی تحریک کی کج ادائی کو واضح کیا گیا ہے، اس مسئلۂ متعلقہ پر ایک مختصر فتویٰ مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کا بھی ہے۔

(۸) الشہابُ الثاقب علی المسترق الکاذب

اس کتاب میں حضرت مدنیؒ نے مسلک بریلویت کے بانی مولانا احمد رضا خاںؒ کی ان تلبیسات کا جائزہ لیا ہے، جو انھوں نے سرکردہ علمائے دیوبند کے خلاف پھیلائیں اور ہندی مسلمانوں کو ان سے بیزار کرنا چاہا تھا، اس کا اجمال یہ ہے کہ ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں انھوں نے ان علمائے دیوبند کی طرف خالص کفریہ عقائد منسوب کرکے ایک تحریر تیار کی اور اس کی روشنی میں حرمین

شریفین کے علماء وفقہاء سے فتاویٰ حاصل کرنے کی غرض سے انھوں نے حجاز کا سفر کیا، وہاں کے اکثر علماء نے تو نہ صرف اس کی تصدیق کرنے سے صاف انکار کردیا؛ بلکہ ان کے فسادِ نیت اور کج فہمی وعلمی نارسائی پر ان کی خوب خبر بھی لی؛ مگر بعض سادہ لوح علماء نے ان کی تصدیق بھی کردی؛ چناں چہ واپسی کے بعد خان صاحبؒ نے دو رسالے ''تمہیدِ شیطانی'' اور ''حسامُ الحرمین'' کے نام سے شائع کیے اور پورے ہندوستان میں یہ ڈھنڈورا پیٹنے لگے کہ علمائے حرمین نے ان دیوبندی علماء کی تکفیر کی ہے اور ان کے عقائد سے براءت کا اظہار کیا ہے، یہ محض اتفاق تھا کہ فراغت کے بعد سے حضرت مدنیؒ اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر تھے اور انھیں معلوم بھی ہوگیا تھا کہ مولانا احمد رضا خانؒ یہاں آئے تھے اور ان کا مقصد کیا تھا؛ چناں چہ جب وہ ہندوستان پہنچے اور دیکھا کہ خان صاحب کیا گل کھلا رہے ہیں، تو ان کے دجل وفریب کی قلعی کھولنے اور علمائے دیوبند پر لگائے گئے ان کے بے سروپا الزامات کی تردید کے لیے آپ نے رسالہ لکھا، اس رسالے کے دو باب ہیں: پہلے باب میں علمائے حرمین سے فتویٰ لینے میں خان صاحب کے مکروفریب کی تفصیلات دی گئی ہیں، جب کہ دوسرا باب نو فصلوں پر مشتمل ہے، جن میں علمائے دیوبند پر لگائے گئے الزامات وافتراءات پر گفتگو کی گئی ہے، پہلی فصل حضرت نانوتویؒ پر لگائے گئے اتہامات کے تفصیلی تذکرے کو محیط ہے، دوسری فصل میں عقیدۂ ختم نبوت پر کلام کیا گیا ہے، تیسری فصل میں حضرت گنگوہیؒ پر لگائے گئے الزامات کا بیان ہے، چوتھی فصل میں مسئلۂ امکان وامتناع کی تنقیح کی گئی ہے، پانچویں فصل میں مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ پر خان صاحب کی تہمتوں کا بیان ہے، چھٹی فصل میں مولانا سہارن پوری کی تصنیف ''براہینِ قاطعہ'' کی متعلقہ عبارت کے صحیح مفہوم کی نشان دہی ہے، ساتویں فصل میں مولانا سہارن پوریؒ پر لگائی گئی دوسری تہمت کا تذکرہ ہے، آٹھویں فصل میں حضرت تھانویؒ کے تعلق سے خان صاحب کی یاوہ گوئیوں کا محاسبہ ہے اور آخری فصل میں حضرت تھانویؒ کی تصنیف ''حفظ الایمان'' کی اس عبارت کی توضیح ہے، جس کو بنیاد بناکر خان صاحب نے ان کے خلاف زبان وقلم کا بے محابا استعمال کیا تھا، پوری کتاب انتہائی محقق ہے اور اس کا لفظ لفظ حضرت مدنیؒ کے بے پناہ علم اور سعت نگاہی کی منھ بولتی تصویر ہے۔

(۹) سلاسلِ طیبہ

علمائے دیوبند شروع ہی سے نہ صرف علم وفضل کے اعتبار سے مقامِ ممتاز کے حامل رہے

ہیں؛ بلکہ وہ تصوف وسلوک کے بھی امام رہے ہیں، بانیانِ دارالعلوم سے لے کر اس کے فضلاء میں سے بیشتر نے اپنے اپنے وقت میں اس میدان میں بھی اپنی خاص شناخت بنائی اور جاہلانہ طریقت اور رسمی ولایت کا پرچار کرنے کی بہ جائے اس طریقت وولایت کی نمایندگی کی ہے، جس کا سرا نبی پاک ﷺ تک پہنچتا ہے، حضرت مدنیؒ بھی اپنے وقت کے باکمال صوفی اور ولی کامل تھے، آپ کے مریدوں کی تعداد لاکھوں میں تھی، آپ کو بیعت وخلافت حضرت گنگوہیؒ سے حاصل تھی، ''سلاسلِ طیبہ'' میں آپ نے صوفیاء کے چاروں طریقوں (قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی) کے اوراد واشغال اوران کے منظوم شجروں کو طالبین وسالکین کی آسانی وره نمائی کے لیے یک جا کردیا ہے۔

(۱۰) حضرت مدنی کا ایک انتہائی تحقیقی مقالہ انگریزوں کی آمد سے پہلے اوران کی آمد کے بعد ہندوستان کی تعلیمی حالت پر ہے، اس میں محقق ومستند اعداد وشمار کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے اور مغلیہ دورِ حکومت میں ہندوستان کی تعلیمی حالت انتہائی بہتر؛ بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک کے لیے باعثِ رشک تھی، یہاں تعلیم گاہوں کی کثرت، حصولِ علم کے دیگر وسائل وذرائع کی بہتات اور علم وعلماء کا دور دورہ تھا، خواہ دینی ومذہبی علوم ہوں یا عصری وپیشہ ورانہ علوم ہر ایک میں یہاں کے باشندے یکہ تاز ہوا کرتے تھے؛ لیکن جب انگریزوں کے ناپاک قدم اس ملک پر پڑے، تو جہاں انھوں نے سیاسی ومعاشی اعتبار سے اس کی بنیادیں کھوکھلی کرنے کی شیطانی تدبیریں کیں، وہیں یہاں کے باشندوں کو فکری وعلمی طور پر اپاہج بنادینے میں بھی اس عیار ومکار قوم نے کوئی کسر نہیں چھوڑی، ہوسکتا تھا کہ یہ بات بہت سے ''اسکالروں'' اور ''دانش وروں'' کو اوپری معلوم ہو؛ اس لیے آپ نے اپنی بات کو خود انگریزی مصنّفین کی تحریروں سے مدلل کیا ہے اور ان کے بیانات کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ انگریزی سامراج نے کس طرح اس ملک کا علمی وفکری استحصال کرنے کی سازشیں رچیں؛ تاکہ ہندی قوم ذہنی وفکری اعتبار سے مفلوج ہوجائے اور ذلت واستعبادی زندگی پر راضی ہوکر حصولِ آزادی کے شعور سے بیزار ہوجائے، یہ مقالہ حضرت مدنیؒ نے ۱۹۴۳ء میں تحریر کیا تھا، جب کہ جدوجہد آزادی پورے شباب پر تھی، اسی زمانے میں اسے ایک رسالے کی شکل میں مجلس قاسم المعارف دیوبند نے چھاپا تھا، پھر یہ نایاب ہوگیا تھا، اتفاق سے اس کا ایک نسخہ کہیں سے معروف عربی واردو ادیب وصحافی مولانا نورعالم خلیل امینی مدظلہٗ العالی کو ہاتھ لگ گیا، انھوں نے اس کی غیر معمولی

اہمیت ووقعت کومحسوس کیااوراس کوعربی کے قالب میں ڈھال کراولاً دارالعلوم دیوبند کے عربی مجلّہ ماہ نامہ ''الداعی'' میں قسط وار شائع کیا، پھران کی تحریک وترغیب پر شیخ الہند اکیڈمی نے اسے "الحالة التعليمية في الهند قبلَ الاستعمار الانجليزي وفيما بعده'' کے نام سے بہترین کتابت وطباعت کے ساتھ چھاپا ہے اور یہ مکتبہ دارالعلوم دیوبند میں دست یاب ہے۔

حضرت مدنیؒ کے مختلف بکھرے ہوئے مقالات اور چند ایک تقریروں کا بھی مولانا امینی مدظلہٗ العالی نے "بحوث في الدعوة والفكر الاسلامي" کے نام سے عربی ترجمہ کیا ہے اور وہ بھی اکیڈمی سے طبع شدہ ہے۔

❁ ❁ ❁

حواشی:

(۱) ص:۴-۵، مطبوعہ: مکتبہ دینیہ، دیوبند۔
(۲) ص:۷۔
(۳) ص:۴۲۔
(۴) روزنامہ الجمعیۃ، ''شیخ الاسلام نمبر'' ص:۱۷۲۔
(۵) ایضاً، ص:۱۷۳۔
(۶) ص:۸، مطبوعہ: مکتبہ الفضل، دیوبند۔
(۷) روزنامہ الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر، ص:۱۷۴۔
(۸) پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ، اقبالؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر، ص:۳۸۳۔
(۹) الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر، بہ حوالہ: اقبال ریویو، جنوری ۱۹۶۹ء، ص:۶۷۔
(۱۰) ص:۴۷۵۔
(۱۱) پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ، اقبالؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ، مشمولہ: الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر، ص:۳۸۳۔
(۱۲) ڈاکٹر اقبالؒ کی چند تنقیدات وترجیحات، مشمولہ: الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر، ص:۳۸۵-۳۹۰۔
(۱۳) ص:۶، مطبوعہ: مجلس قاسم المعارف، دیوبند۔

❁ ❁ ❁

کیا برائیاں ''موم بتی جلانے'' سے ختم ہوجائیں گی

از: ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی
۱۵- گاندھی روڈ، دہرہ دون

دلی کی دوارکا میں دامنی کی عصمت دری اور قتل کی شرم ناک درندگی نے ہندوستان سمیت پوری دنیا میں خواتین کی حیثیت، ان کے تحفظ، سماج میں ان کے رول، خواتین اور مرد کے تعلقات، آزادیِ نسواں کی حقیقت جیسے اہم مسائل پر بحث چھیڑ دی ہے۔ آج کی خدا بیزار، خدا فراموش، خدا کی باغی تہذیب نے انسانیت کی اجتماعی زندگی سے خدا تعالیٰ کو بے دخل کردیا ہے اور اپنے ناقص علم، خام عقل اور نفسانیت کو خدا بنالیا۔ خدا کو چند رسموں اور عبادت گاہوں تک مقید کردیا، پچھلے تقریباً تین سو سالوں میں جو علم، عقل اور نشاۃ ثانیہ کا دور کہلاتا ہے، انسانیت نے ایک رخی ترقی کی اور دوسری طرف اخلاقی اور روحانی لحاظ سے اتنی ہی گراوٹ کا شکار ہوئی، جس کے مختلف مظاہر دنیا بھر میں جنگ، فساد، نشہ، معاشرتی انتشار، زنا، قتل، بھک مری، بے روزگاری، اقتصادی نابرابری کی شکل میں ظاہر ہورہے ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ انسانیت کے جسم کے اندر خدا بے زار تہذیب کے فاسد اثرات پیدا ہونے والی بیماریوں میں کوئی ایک پھوڑا باہر آجاتا ہے تو وقتی ہنگامہ ہوتا ہے، کبھی امریکی بینک سود کی وجہ سے ناکام ہوئے، عالمی مندی آئی، کرپشن کا مسئلہ انّا ہزارے نے اٹھایا، سوئس بینکوں میں کالی دولت گئی، رحمِ مادر میں دختر جنین کشی ہوئی وغیرہ وغیرہ، تو ہنگامہ ہوا۔ وقتی برق وگرد اٹھائی گئی، نینا ساہنی کو اسی دہلی میں بڑے نیتاؤں نے کاٹ کر تندور میں بھون ڈالا، انڈین ایکسپریس کی نامہ نگار شوانی بھٹناگر کو ایک آئی پی ایس افسر نے ناجائز تعلقات کے بعد قتل کرڈالا، جیسیکا لال قتل ہوا، بھوپال میں شہلہ مسعود ناجائز تعلقات میں قتل ہوئی اور بڑے بڑے بگلا بھگت دیش بھگتوں کے نام آئے، راجستھان میں مشہور بھنوری دیوی (نرس) کا

قتل ہوا اور لاش شوگرمل کی بھٹی میں جلوا کر اندرا نہر میں ڈلوائی گئی، وقتی ہنگامے ہوئے، موم بتیاں جلائی گئیں، دھرنے، پردرشن ہوئے؛ مگر کل ملا کر معاشرہ میں جنسی تشدد، بے حیائی، فحاشی اور زنا کاری بڑھتی رہی، حکومتیں ڈانس بار، ڈسکو کلب اور جسم فروشی کے لائسنس جاری کررہی ہیں۔ ہر اسکول میں مس اسکول کے مقابلے ہورہے ہیں، ہر انسٹی ٹیوٹ میں فیشن شو اور کیٹ واک Cat w alk ہورہا ہے۔ یہ میڈیا جو گھڑیالی آنسو بہارہا ہے، یہ عورت کے جسم کو کس طرح پیش کرتا ہے، وہ اس کی خبروں اور مباحثوں کے درمیان دکھائی جانے والی نیم عریاں اشتہاروں، فحش اشاروں بے جا ڈائیلاگ سے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ بالی وڈ نے تو عورت کو رسوا اور ذلیل کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ آج ہندوستان کے چھوٹے بڑے شہروں میں کوئی ہوٹل ایسا نہیں ہوگا (اکا دکا کو چھوڑ کر) جہاں کھانے کے مینو کے ساتھ ''گرم زندہ گوشت'' بھی سپلائی کرنے کا اہتمام نہ ہو۔ دہلی کے پہاڑ گنج کے گیسٹ ہاؤس میں کیا کیا ہوتا ہے، دہلی کے لوگ جانتے ہوں گے، مس انڈیا، مس فلم فیئر، مس فیمینا، مس لیکمے میں کیا جسم کی فحش نمائش کے علاوہ کچھ ہوتا ہے؟ اس کو دیکھنے والے، حصہ لینے والے کون لوگ ہوتے ہیں؟ یہ شوبز اور ریالٹی شو جہاں دنوں کے حساب سے مرد وزن کو چوبیس گھنٹوں کیمروں کی نگرانی میں رکھا جاتا ہے، یہ سب مل کر سماجی ماحول، عورت کی آزادی اور تفریح کی تعریف متعین کررہے ہیں۔ کیا ایسے سماج میں ۱۶؍دسمبر جیسے حادثے اور درندگیاں غیر فطری ہیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا انسانی تاریخ میں انسان کبھی بھی فطرت سے (الٰہی رہنمائی) سے بغاوت کرکے امن حاصل کرسکا ہے؟ جب ہمارے سماج میں آج ہر ماں باپ اپنی اولاد کے سامنے زندگی کا مقصد صرف کامیابی اور موج مستی و کیریئر کے نام پر دیتا ہے تو موقع ملنے پر وہ اسے حاصل کیوں نہیں کرے گا؟ پھر اس مسئلہ کو جس طرح جنسی جھگڑا بنایا جارہا ہے، کیا وہ کسی بھی طرح انسانیت کے لیے فائدہ مند ہوگا؟ ''آج میری اسکرٹ اونچی''، ''میں اپنے جسم کی مالک ہوں''، نظر تیری خراب، پردہ میں کروں''، ''آدھی رات کو گھومنے کی آزادی'' جیسے نعرہ لگانے والی ذہنیت جس سراب کے پیچھے دوڑ رہی ہے وہ سراب جہاں پیدا ہوا وہاں اس کا کیا حال ہے۔ فرانس، امریکہ، انگلینڈ، سویڈن اور جرمنی کے کچھ اعداد وشمار پروین سوامی نے ۲۷؍دسمبر ۲۰۱۲ء کے ''دی ہندو'' میں دیئے ہیں۔ وہ مغرب جو حقوق نسواں کے اُس برانڈ یا ایڈیشن کا ذمہ دار ہے، جس کی نقل آج انڈیا گیٹ پر موم بتیاں جلانے والے کررہے ہیں۔ اس مغرب میں ہر وقت جسم خاتون تقریباً نیم

عریاں ہی دعوت نظارہ دیتا ہے، وہاں پردے کی ''گھٹن'' اور ''بندشوں'' کی جکڑن بھی نہیں ہے؛ مگر وہاں کا حال یہ ہے:

امریکی ادارہ رینن ریپ ابیوس اینڈ انسیسٹ نیشنل نٹ ورک Rainn Rape Abuse and Incests National Network کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ۳۵ کروڑ امریکی آبادی میں ہر سال ۲ لاکھ عورتوں کے خلاف جنسی دست درازی کے واقعات ہوئے ہیں، یعنی تقریباً ہر دومنٹ پر ایک واقعہ ہوتا ہے۔ ۲۰۰۰ء میں برطانیہ میں کل خواتین آبادی کا 4.9% زنا یا جنسی تشدد کا بنا تھا۔ حال ہی میں یہ تعداد 10% ہوگئی ہے۔ آئیرلینڈ، سویڈن اور جرمنی میں یہ تعداد ۲۵ سے ۳۵ فیصد تک ہے۔ ۲۰۰۷ء میں بارہ (۱۲) ہزار بچوں میں کرائے گئے سروے کے مطابق ان میں ۵۳ فیصد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ امریکہ میں ہونے والے زنا کے ۱۰۰ معاملات میں صرف ۴۶ ہی رپورٹ ہوتے ہیں اور ۱۰۰ میں ۳ ملزم ہی جیل جا پاتے ہیں۔ برطانیہ میں ۱۰۰ سے صرف ۶ جنسی تشدد کے ملزم جیل تک جا پاتے ہیں۔ مسئلہ پولیس یا عدالتیں نہیں ہیں، مسئلہ ہم ہی ہیں۔ (دی ہندو نئی دہلی ۲۷/دسمبر ۲۰۱۲ء)

ہندوستان بھر میں مظاہرین کا زور صرف سخت سزائیں، جلد انصاف اور پولیس سروس کو بہتر بنانے کے گرد ہی گھوم رہا ہے اور عملاً حقیقت یہ ہے کہ پولیس، عدالت اور جدید ترین سائنسی تحقیقاتی وسائل امریکہ، جرمنی، برطانیہ سے بہتر شاید ممکن ہی نہیں ہیں؛ مگر اس کے باوجود وہاں بھی یہ مسئلہ اتنا بھیانک ہے، جتنا ہمارے یہاں ہے۔ تو پھر مسئلہ کا حل کیا ہو؟

مسئلہ کا حل یہ ہے کہ معاملہ کے دونوں فریق مرد اور خواتین اپنی اپنی طاقت کا استعمال الٰہی رہنمائی میں اپنے پیدا کرنے والے رب کی مرضی کے مطابق کریں۔ مرد کے ذمہ مردانہ خصوصیت اور خواتین کی زنانہ خصوصیات دونوں الگ الگ معاشرہ کی تکمیل اور ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ دونوں کو ہی آزادی اور پابندیاں برداشت کرنی ہوں گی۔ دونوں کو اپنے اپنے دائرۂ کار طے کرنے ہوں گے، ورنہ ایسے مسائل پیدا ہوں گے کہ زنا بالجبر اس کے آگے معمولی مسئلہ بن جائے گا۔ آج مطلق آزادی کے تصور نے انسانیت کو توڑ پھوڑ کر بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ خواتین اتنی آزاد ہوئیں کہ اب نہ وہ نکاح کرنا چاہتی ہیں، نہ بچہ پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب ہم جنس میں شادی کا شیطانی تصور قانون بن کر اقوامِ متحدہ سے برطانیہ سے، فرانس سے، امریکہ کی بیشتر ریاستوں سے

اور دنیا کے اس وقت سب سے طاقتور شخص براک اوبامہ سے منظوری پا چکا ہے۔ یعنی اب شادی مرد اور عورت میں نہ ہوکر عورت عورت اور مرد مرد کے درمیان ہوگی۔ اس سے کیا کیا مسائل پیدا ہوں گے، کوئی بھی سوچ سکتا ہے؛ بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسئلہ کی جڑ حضرت انسان ہی غائب ہوجائیں؛ کیونکہ بچے آسمان سے تو ٹپکتے نہیں اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی یا Stem Cell سے پیدا نسل کس کو ماں باپ کہے گی؟ پھر بڑھاپے کا کیا ہوگا؟ انسانوں کا ذہن صحیح سمت میں سوچنے والا بنائے بغیر صرف جذباتی قانون سازی کسی بھی مسئلہ میں کامیاب نہیں ہوتی ہے، جہیز کی اموات کے بعد بنائے قوانین کا کتنے بڑے پیمانے پر غلط استعمال ہوا ہے کہ بہوؤں نے یا ان کے خاندان والوں نے پورے خاندان کو خواتین سمیت جیلوں میں ڈلوادیا اور اب عدالتیں اس رجحان کے خلاف قانون سازی پر زور دے رہی ہیں، دلتوں کے خلاف بے عزتی کے الفاظ پر جیل بھیجنے کے قوانین کا کتنے بڑے پیمانے پر غلط استعمال ہورہا ہے، سب کو معلوم ہے۔ اگر مرد اور عورت ساتھ کام کریں گے تو وہ کہیں حاکم ہوں گے، کہیں محکوم، کہیں افسر کہیں ماتحت۔ ایسے میں کہیں کا غصہ کہیں نکالنے کا سلسلہ، جنسی تشدد کے قوانین کی اندھی لاٹھی گھمانے سے کہاں سے کہاں تک جائے گا، اس کو سمجھا جاسکتا ہے۔ جرم جرم ہوتا ہے چاہے مرد کرے یا عورت کرے۔ اس کی تمام مثالیں سامنے ہیں، گھریلو تشدد میں تو ساس، بہو، نند، بھاوج وغیرہ میں تو طرفین میں خواتین ہی ہوتی ہیں۔ ایسا کوئی کلیہ بنادینے سے کہ جرم صرف ایک جنس ہی کرے گی، کچھ ہی عرصہ میں سماج کو سنگین نتائج بھگتنے ہوں گے اور آخر میں سب سے بری طرح متاثر خواتین ہی ہوں گی۔ جب سماج کسی برائی کے لیے ماحول بناتا ہے، چاروں طرف سے بڑھاوے کے لیے وسائل اختیار کیے جاتے ہیں، پھر اس کے کڑوے کسیلے پھل دیکھ کر گھبراتے کیوں ہیں؟ اگر اس درندگی اور اس کے علاوہ تمام انسانیت دشمن برائیوں سے نجات پانی ہے تو ایسا ماحول بنانا ہوگا، جہاں بلاتفریق ہر ایک میں خدا کا خوف پیدا ہو، اکیلے میں بھی اور پبلک میں بھی، سب اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بنیں، ورنہ آپ کہاں کہاں پولیس کے پہرے لگائیں گے، کہاں کہاں CCTV لگائیں گے، ایک طرف آپ کہتے ہیں کہ مرد اور خاتون ہر جگہ ساتھ رہیں، ساتھ کام کریں، دن میں بھی رات میں بھی، کال سنٹر میں، پولیس میں، فوج میں ہر جگہ ہر وقت ساتھ رہیں اور پھر امید کریں کہ نہ جسمانی کشش کا بیجا استعمال ہوگا اور نہ اس نمائش کا شیطانی ردعمل ہوگا۔ ذہن اور دل بدلے بغیر کوئی انقلاب نہیں آتا۔

ایک شراب بندی حضرت محمد ﷺ نے کی تھی کہ ایک حکم سے مدینہ کی گلیاں شراب کے بہنے سے کیچڑ ہوگئیں اور لوگوں نے ہونٹوں سے لگے جام پھینک دیئے؛ مگر اس انقلاب کے ہزار سال بعد امریکہ نے تمام قوانین کے سہارے شراب بندی لاگوکرنی چاہی؛ مگر کامیاب نہیں ہوئے۔ ہمارے یہاں گاندھی جی کی جائے پیدائش گجرات میں شراب بندی کا جو حال ہے وہ سب جانتے ہیں۔ ہم فطرت کے قوانین سے نعروں اور جذبات یا خواہشات کے ساتھ ٹکرا نہیں سکتے، مرد وعورت میں ایک دوسرے کے لیے کشش اور کھنچاؤ قدرتی قانون ہے، نظر خراب ہو یا نہ ہو اسکرٹ یا کسی بھی پہناوے کے مناسب یا غیر مناسب ہونے کا ردعمل مرد پر Biology کے حساب سے ہوگا ہی؛ کیونکہ یہ فطری تقاضہ ہے۔ زنانہ اور مردانہ ہارمون الگ الگ طریقہ سے متاثر ہوتے ہیں اور متاثر کرتے ہیں، یہ سب سائنسی حقیقت ہے، مُلّا کا فتویٰ نہیں ہے۔ ایک طرف آپ ننگے جسموں، ناچ، شراب اور نشہ آور ادویہ کا کلچر عام کرتے ہیں، ترقی اور آزادی کے نام پر دوسری طرف اس کے شیطانی ردعمل سے ڈرتے بھی ہیں۔ راج پتھ پر دھرنا دینے والے دہلی کے ڈسکو کلبوں، ڈانس باروں، ریڈ لائٹ ایریا جی بی روڈ پر دھرنا نہیں دیتے، ان کے خلاف قوانین بنانے کی مانگ نہیں کرتے، خاتون اسپیشل بسوں اور میٹرو ڈبوں کی بات نہیں کرتے، اگر آپ توقع کرتے ہیں کہ اپنی ''مرضی'' کے لباس میں ملبوس خاتون ڈی ٹی سی یا میٹرو کے کھچا کھچ بھرے ڈبہ میں دنیا پرستانہ ذہنیت رکھنے والے مردوں کے ذریعہ پریشان نہیں کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب قوانین بدل گئے ہیں، جب کہ ابھی ایسا ہوا نہیں ہے۔ شراب اور عورتوں یا دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی عورتوں کے خلاف جرائم یا قتل کے حالات دیکھ لیجیے 70% تک یہ جرائم شراب کے نشہ میں ہوتے ہیں؛ مگر شراب نوشی آج نئی نسل کے اندر لڑکا ہو یا لڑکی عام ہوتی جارہی ہے۔ ڈرگس کا نشہ اس سے بھی زیادہ عام ہورہا ہے۔ دہلی، پونے، ممبئی، چنڈی گڑھ اور ہندوستان کے بڑے شہروں میں RAVE پارٹیوں اور برتھ ڈے پارٹیوں میں 300-200 نوجوان لڑکے لڑکیوں کا پایا جانا کس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان پارٹیوں کے خلاف دھرنے کیوں نہیں ہوتے؛ جبکہ جرائم کے بیج تو ان ہی پارٹیوں میں بوئے جاتے ہیں۔ WHO نے اپنی حالیہ رپورٹ میں صاف کہا ہے کہ آسٹریلیا اور برازیل میں کیے گئے مطالعات سے پتہ چلا ہے کہ ایک اونس شراب پر 1% دام بڑھانے سے عورتوں کے خلاف جرائم میں 5.3% کی کمی آجاتی ہے۔ پتہ چلا کہ 60% قتل اور

45% زنا رات ۱۱/ بجے سے صبح ۶ / بجے تک ہوتے ہیں۔ اس درمیان اگر شراب نہ ملے تو قتل اور زنا کے واقعات میں 44% کمی آسکتی ہے۔ (کونیتا سنہا ٹائمس آف انڈیا ۱۲/۱۲/۲۰۱۲ء نئی دہلی)

اگر صرف ۷/ گھنٹہ شراب بند کرکے جرائم میں 44% کمی لائی جاسکتی ہے تو مکمل شراب بندی سے کتنا فائدہ ہوگا؟ امریکی فوج کی حالیہ رپورٹ میں بتایا گیا کہ فوج میں خواتین کی 48.5% تعداد نے دوران ڈیوٹی جنسی تشدد کی شکایت کی اور یورپین یونین کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ وہاں پچھلے ۵ سالوں میں کرایہ پر کوکھ حاصل کرنے والوں کی تعداد میں تین گنا اضافہ ہوگیا ہے، یعنی اب وہ ایک بچہ بھی اپنی کوکھ میں اٹھانے کی زحمت نہیں کریں گی۔ یہ زحمت جو اٹھائے گی وہ بھی خاتون ہوگی؛ مگر وہ انڈیا کی ہوگی۔ کیا یہ وہی منزل ہے جس کی طرف ہم موم بتی جلا کر انڈیا گیٹ سے چل کر پہنچنا چاہتے ہیں؟؟؟

❁ ❁ ❁